# داستانِ دل

## جُولائی 2016

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ماہنامہ داستان دل ساہیوال

چیف ایڈیٹر نزہت جبیں ضیاء

ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو 0322-5494228

فیس بک انچارج: مہوش ملک، محمد شعیب، عمران رضا بٹ

مجلس ادارت: رانا ظفر علی — رانا شعیب عالم — رمضان تبسم پریمی

اپنی تحریریں اس پتہ پر ارسال کریں۔ ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 79/5.L ڈاکخانہ 78/5.L ساہیوال۔



داستان دل آپ کا اپنا ادبی اخبار ہے اس میں آپ اپنی تحریریں آپ بیتیاں، افسانے، ناول، غزلیں، مزاحیہ شاعری، ڈائری، سولفظی کہانی، اور اپنی شائع شدہ بکس پر تبصرے کیلئے جلد از جلد رابطہ کریں۔

خط و کتابت:۔ ندیم عباس ڈھکو 0322-5494228 چک نمبر 79/5.L ڈاکخانہ 78/5.L تحصیل و ضلع ساہیوال۔ Email adress:abbasnadeem283@gmail.com.

# دل بڑی مشکل سے ہارا

نزہت جبیں ضیاء

(آخری قسط حصہ دوئم)

غلطی آج اتنے برسوں بعد اس کی زندگی میں ایسا طوفان لائے گی جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھا ابھی کچھ دیر پہلے کتنی حسین دکھائی دے رہی تھی مگر اچانک ہی بے وقعتی اور حقارت نے اسے کیسا پژمردہ بنا دیا تھا۔ "یا اللہ میں کیسے جی سکوں گی؟" وہ ایک ایک کرکے زیور اتارنے لگی' کانچ کی نازک چوڑیاں اس کے خوب صورت حنائی ہاتھوں میں بجنے لگیں۔ یہ چوڑیاں جو سہاگ کی نشانی تھیں' کیسا سہاگ...... وہ آنسو بہاتی چوڑیاں اتارنے لگی' تب ہی وہ باتھ روم سے نکلا۔ "کان کھول کر سن لو اگر دادو کو یا کسی کو بھی ذرا سی بھنک دی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا' سمجھیں۔" انگلی اٹھا کر سفاک لہجے میں وارننگ دی۔ یا خدا یہ کیسا امتحان ہے' وہ زخم پر زخم لگائے جا رہا تھا وہ بنا کچھ کہے شرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ چینج کرکے آئی تو ذہاد بیڈ کے کونے پر سگریٹ پی رہا تھا۔ شرارہ تہہ کرکے ہینگ کیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال سلجھانے لگی' ابھی کچھ دیر پہلے کتنی خوش تھی وہ' ربیعہ اور حریمہ کے خوب صورت بے باک اور ہلچل مچا دینے والے جملوں سے شرماتے ہوئے کتنی حسین لگ رہی تھی۔ لیکن سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو گیا تھا۔ سارے جذبے' سرشاری' سارے خواب ایک جھٹکے میں کرچی کرچی ہو گئے تھے۔ اس کے نرم و نازک وجود کی دھجیاں اڑا کر وہ مطمئن انداز میں آنکھیں بند کیے سو چکا تھا۔ "یا اللہ میں کس طرح سب کا سامنا کر پاؤں گی؟" وہ خود سے سوال کر بیٹھی۔ "اف خدایا......" راعیہ نے غور سے اس دشمن جان کو دیکھا جس کی قربت کے لیے اس نے ایک ایک پل گن گن کر گزارا تھا جس کے لیے اتنا بجی سنوری تھی۔ اس نے تو آنکھ بھر کے دیکھنے کی زحمت تک نہ کی۔ راعیہ نے خود کو آئینے میں دیکھا کتنا مکمل حسن تھا اس وقت میک اپ سے عاری دھلے ہوئے روئے روئے چہرے میں وہ مزید حسین لگ رہی تھی۔ دل تھا کہ امڈتا چلا آ رہا تھا آج کی رات' اس حسین رات کے بارے میں کتنا کچھ سنا تھا اس نے اور پھر ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک ایک بات پر' ایک ایک جملے پر وہ کتنا بلش ہوئی تھی لیکن ذہاد تو رگ رگ میں بے وقعتی کا زہر اتار کر سو چکا تھا۔ محبتوں کو پامال کرکے مطمئن تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی راعیہ کی دلی کیفیت' اس کے جذبات کا خیال نہ آیا تھا اسے' ایک بار بھی راعیہ کے اور اپنے رشتے کا احساس نہ ہوا تھا اسے اور پھر کتنی بے رحمی سے' کتنی سفاکی سے یہ حکم بھی صادر کر دیا تھا کہ کسی کے سامنے ظاہر بھی نہ کروں گویا میں آج سے دوہری زندگی گزاروں...... "یا الٰہی مجھے ہمت دینا' حوصلہ' صبر اور برداشت عطا کرنا میرے مولا! جو کڑا امتحان میرے نصیب میں ہے مجھے اس میں کامیابی عطا کرنا میرے مالک! میرے پاپا کے سامنے میرا بھرم رکھ لینا۔" وصی شاہ کا تصور کیا تو بے تحاشہ رونا آ گیا۔ "میرے پاپا پہلے ہی بہت ٹوٹے ہوئے ہیں' انہیں میرا دکھ نہ دکھانا میرے مولا! مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر کہ میں برداشت کر سکوں۔ اتنے معصوم چہرے کے پیچھے اتنا سفاک اور ظالم شخص بھی ہو سکتا ہے۔" وہ سسک پڑی۔ "تو راعیہ صاحبہ! آج سے تم کو دوہری زندگی گزارنی ہے' کمرے کے اندر الگ اور کمرے کے باہر الگ......" ٹھنڈی سانس لے کر حنائی ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی سوچنے لگی۔ آج کی خوب صورت رات کو بھی سسکیوں کی نذر ہونا تھا۔ وہ روتی رہی' اپنی تقدیر پر ماتم کرتی رہی اور جب تھک گئی تو خاموشی سے اٹھی اور بیڈ کے دوسرے کونے پر منہ دوسری طرف کرکے لیٹ گئی۔ "سنو جب ذہاد پاس آئے تو......" کانوں کے قریب سرگوشی ابھری' اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ربیعہ اور حریمہ اسے ذہاد کو ستانے اور تنگ کرنے کے گر سکھا رہی تھیں۔ ہلکی سی سسکی اس کے لبوں سے نکلی' ساری رات وہ بے آواز سسکتی رہی اور ذہاد آرام سے سوتا رہا۔ اذان فجر کی آواز کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی' ذہاد ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی' دیر تک شاور لے کر اور وضو کرکے نکلی تو وہ جاگ چکا تھا اور بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ "نئی زندگی کی پہلی صبح مبارک ہو' کیسی لگی؟" راعیہ کو دیکھ کر کاٹ دار جملہ اچھالا۔ "نئی صبح نئی زندگی...... خدا نہ کرے کہ کسی کو ایسی زندگی اور ایسی صبح نصیب ہو۔" ذہاد کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈال کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہتی ہوئی جائے نماز بچھانے لگی۔ ذہاد فریش ہو کر آیا تو جب تک راعیہ نماز فجر ادا کر چکی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے سلکی بالوں کو سلجھا رہی تھی۔ لمبے بالوں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا' لائٹ گرین ہلکے کام والے سوٹ میں میک اپ سے عاری چہرہ' رات بھر کی جاگی سرخ اور متورم آنکھیں' چہرے پر پھیلا سوگوار حسن جس نے اسے جاذب نظر بنا دیا تھا۔ ذہاد نے دیکھا تو ایک لمحہ دیکھتا رہ گیا' اپنے گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتا لائٹ بلو شلوار قمیص میں نکھرا نکھرا سا ذہاد اس کے دل میں اترا جا رہا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر اٹھا تو دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ذہاد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ "نئی زندگی کی پہلی خوب صورت صبح مبارک ہو۔" ربیعہ اور حریمہ تھے۔ "شکریہ بھابی!" "کیا حال ہیں جناب؟" ربیعہ نے شوخ نظروں سے ذہاد کو دیکھا۔ "الحمدللہ بھابی! جس کو اتنا حسین اور چاہنے والا ساتھی مل جائے اس کو اور کیا چاہیے؟" ذہاد نے محبت پاش نگاہوں سے راعیہ کو دیکھتے ہوئے کہا' راعیہ نے سر اٹھا کر ذہاد کو دیکھا۔ اس کے کرخت رہنے والے چہرے پر حسین اور دلفریب مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں خوب صورت جذبے اور والہانہ پیار تھا۔ "اف...... کتنا دھوکے باز انسان ہے۔" راعیہ آنکھیں پھاڑے اس دوغلے شخص کو دیکھنے لگی۔ رات والے اور ابھی والے ذہاد میں کتنا فرق تھا' رات کو جس منہ سے لفظوں کے زہریلے تیر نکل رہے تھے اس وقت اسی منہ سے محبت اور جذبات میں ڈوبی چاشنی گھلی ہوئی تھی ربیعہ اور حریمہ مسکرا دیے۔ "اور سنائیے دلہن بیگم!" حریمہ قریب آ کر سرگوشی میں گویا ہوئی۔ "زیادہ تنگ تو نہیں کیا دلہا میاں نے؟" راعیہ کا دل ایک دم ہی بجھ گیا۔ اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں' مبادا آنکھوں میں آئی نمی گزشتہ رات کے راز افشاں نہ کر دے۔ "پلیز بھابی! ہماری نازک سی بیگم کو تنگ نہ کریں' ہم نے پہلے ہی رات کو انہیں اچھا خاصا تنگ کر لیا ہے۔" قریب آ کر ذہاد نے ربیعہ سے مخاطب ہو کر ذومعنی جملہ کہہ دیا' راعیہ نے تڑپ کر اس دشمن جاں کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں بے تحاشہ پیار لیے مسکرا رہا تھا۔ "اف...... یہ شخص تو مجھے پاگل کر دے گا۔" راعیہ نے بے بسی سے نگاہیں جھکا لیں۔ "ہاں جی ہاں' ہم تنگ نہیں کر رہے آپ کی بیگم کو' ہم تو مزاج پرسی کے لیے آئے تھے آپ خود ہی سنبھالیں اور ہاں آپ لوگ ناشتا یہیں کریں گے یا ہمارے ساتھ؟" ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم آتے ہیں بھابی' سب کے ساتھ کریں گے۔" راعیہ نے جلدی سے کہا تو ربیعہ نے اس کا ماتھا چوما اور کمرے سے نکل گئی۔ "کیسی رہی میری ایکٹنگ؟" ذہاد نے قریب آ کر آہستگی سے پوچھا۔ راعیہ نے جھلملاتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور بنا کچھ کہے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ذہاد نے بھرپور قہقہہ لگا کر سگریٹ جلائی اور صوفے پر بیٹھ کر کش لگانے لگا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بناتے ہوئے وہ اس سوچ میں تھی کہ کس طرح سب کا سامنا کرے گی۔ پاپا سے کیسے نظریں ملا سکوں گی؟ کس طرح خود پر کنٹرول رکھ کر سب کے سامنے مسکراتی رہوں گی اور اپنے دل کے اندر اٹھتے دکھ اور تکلیف کو کس طرح چھپاؤں گی؟ "کیا سوچ رہی ہو؟" وہ پاس آ کر بولا۔ وہ بے بسی سے تکتی رہ گئی۔ "سنو! یہ روتی بسورتی شکل اور اپنی یہ نحوست یہیں کمرے میں چھوڑ کر جانا اگر وہاں جا کر کوئی ڈرامہ کیا تو...... تو وہیں ڈراپ سین بھی کر دوں گا سب کے سامنے۔" کتنی بے رحمی سے وہ حکم دے رہا تھا۔ "واہ جی! زخم بھی دے رہا تھا اور مرہم پاشی کی اجازت بھی نہ تھی۔" اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔ "ڈراپ سین...... کہیں اگر اس نے طلاق...... نہیں نہیں...... اللہ نہ کرے۔" وہ تڑپ گئی۔ "پاپا تو مر جائیں گے۔" "چلیں محترمہ! ناشتے کے لیے کوئی دعوت نامہ نہیں آنے والا۔" طنز کا تیر چھوڑا تو وہ خیالات سے چونکی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ناشتے پر سب لوگ موجود تھے' دادو' ذکی شاہ' عرفانہ' تسکین' تابندہ خالہ اور ان کے شوہر۔ تابندہ خالہ نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کا ماتھا چوم کر پیار بھری دعائیں دی تھیں۔ تابندہ خالہ کے لہجے میں مٹھاس تھی' پاپا سے مل کر راعیہ کی آنکھیں خود بخود بھیگنے لگی تھیں۔ دفعتاً اس نے ذہاد کی جانب دیکھا' ذہاد کی آنکھوں میں عجیب سی وارننگ تھی' راعیہ نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ کتنا جان لیوا اور تکلیف دہ تھا اس طرح ڈبل مائنڈ ہو کر جینا' دل میں کچھ اور لب پر کچھ' چہرے کے تاثرات اور دلی کیفیت میں تضاد کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جا سکتی ہے۔ "آ جا میری بچی' میری جان!" دادو نے اسے سینے سے لگا لیا۔ "اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ڈھیر ساری خوشیاں دے' سدا سلامت رہو۔" دادو نے ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں۔ ذہاد بڑے خوش گوار موڈ میں ناشتا کر رہا تھا' وصی شاہ سے بھی نارمل رویہ تھا۔ اس نے تھوڑا سا ناشتا کیا' دل کہاں چاہ رہا تھا کچھ بھی کرنے کا۔ "جاؤ بچی تھوڑا آرام کر لو' رات کو بھی ولیمے کی تقریب میں تھکن ہو جائے گی۔" دادو نے راعیہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے اٹھ گئی۔ "ذہاد میں نے تو تمہیں چاہا تھا' پیار کیا تھا تم سے۔ دل کی تمام شدتوں کے ساتھ محبت کی تھی اور تم نے...... کیا محبت میں یہ صلہ ملتا ہے؟" کمرے میں آ کر وہ صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ رات کو دعوت ولیمہ کی تقریب تھی' راعیہ شام سے ہی بیوٹی پارلر چلی گئی' جب تیار ہو کر ہال پہنچی تو ہر آنکھ اسے دیکھتی رہ گئی۔ موو اور سی گرین کنٹراسٹ کا بھاری شرارہ' خوب صورتی سے کیا گیا میک اپ اور نفیس جیولری میں اس کا ملکوتی حسن دو چند ہو رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں ذہاد بھی بہت خوب صورت لگ رہا تھا' ہال میں داخل ہوتے ہوئے گرم جوشی سے راعیہ کا ہاتھ تھاما تو راعیہ کا سرد اور ملائم نازک ہاتھ ذہاد کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں آیا تو راعیہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ ولیمے کی ساری تقریب میں ذہاد والہانہ انداز سے اسے دیکھتا رہا' خوب صورت جملے اچھالتا رہا۔ بے تابی اور بے قراری کا اظہار کرتا تھا اور راعیہ اس کی باتوں پر تڑپ کر رہ جاتی' ذہاد کی والہانہ نظروں سے راعیہ کا پور پور بکھرنے لگا۔ وہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی۔ "کاش...... کاش...... یہ حقیقت ہو جائے۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی رہ گئی اور اس کی کامیاب ایکٹنگ کی داد دیتی رہی وہ' بہت غضب کا کھلاڑی تھا اور وہ خود...... وہ خود بھی تو اپنا آپ چھپا کر ہنستی مسکراتی بیٹھی تھی۔ شادی کے ہنگامے سرد پڑے' وصی شاہ بھی مطمئن ہو گئے تھے اور ذہاد نے بھی آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ تابندہ اپنی فیملی کے ساتھ واپس لوٹ گئی تھیں' جاتے وقت راعیہ کو سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے گئی تھیں۔ ذہاد اور راعیہ آج بھی کمرے میں اجنبیوں کی طرح رہتے تھے' حریمہ کی طبیعت آج کل کچھ خراب تھی وہ ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں نیا پن اور اعتماد سا آ گیا تھا۔ طلال ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگا رہتا' یہ کھا لو' یہ پی لو' آرام کر لو' باہر چلو...... طلال کا والہانہ پن اور حریمہ کی شرمگیں مسکراہٹ دیکھ کر راعیہ کے دل میں کچھ ہونے لگتا۔ اس وقت وہ خود کو ادھورا اور بے بس محسوس کرتی۔ "کیا میں بھی......؟" سوچتے ہوئے وہ بے حال سی ہو جاتی' زندگی جیسے ایک نقطے پر آ کر ٹھہر گئی تھی وہ دوہری زندگی گزارتے گزارتے تھکنے لگی تھی۔ اس روز موسم بہت حسین ہو رہا تھا سب لوگ آئس کریم کھانے جا رہے تھے ذہاد اور راعیہ کو بھی کہا۔ "تم لوگ چلو ہم اپنی بیگم کو لے کر آتے ہیں۔" ذہاد نے راعیہ کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "واؤ یار راعیہ! تم نے تو سچ مچ ذہاد کو بدل کر رکھ دیا۔" ربیعہ نے ہنستے ہوئے راعیہ کو مخاطب کیا۔ "ارے بھابی جس شخص کو ایسا شریک سفر ملے وہ تو ہواؤں میں ہی اڑے گا ناں۔ میں تو تھوڑا سا چینج ہوا ہوں۔" ذہاد نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ چادر اوڑھنے کے لیے کمرے میں گئی تو نہ جانے کیوں اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔ "کیا ہوا جاناں؟" ذہاد نے قریب آ کر محبت سے چور لہجے میں کہا۔ "ذہاد پلیز! بس کریں میں نہیں جی سکتی دوہری شخصیت کے ساتھ۔" وہ رو پڑی۔ "ارے واہ بس اتنے سے دنوں میں عاجز آ گئیں تم اور میری خالہ بیس سال سے یہ اذیت برداشت کر رہی ہیں۔ بند کرو یہ ڈرامے بازیاں' باہر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" آنکھوں میں نفرت لیے وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ کچھ دن گزرے تو اس بات نے تو راعیہ کے ہوش اڑا دیے کہ لاہور میں بزنس سنبھالنے والے احسان صاحب کی اچانک موت ہو گئی ہے اور وہاں فی الفور کسی کو پہنچنا ضروری ہے اور جب راعیہ کو یہ پتا چلا کہ وہاں اسے اور ذہاد کو بھیجا جا رہا ہے تو وہ بری طرح گھبرا گئی۔ "ارے نہیں تائی امی!" اس نے بے ساختہ کہا۔ "کیوں بیٹی تم ایسا کیوں نہیں چاہ رہی ہو۔ کوئی پرابلم ہے کیا؟" ذکی شاہ نے پوچھا۔ "جی...... جی نہیں...... بس وہاں اکیلے رہنے کے تصور سے......" وہ منمنائی۔ اصل مسئلہ تو ذہاد کے ساتھ رہنے کا تھا۔ "بیٹی اس وقت باسل اور ربیعہ نہیں جا سکتے کیوں کہ اس کی بیٹی کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ طلال اور حریمہ کا جانا مشکل ہے کیوں کہ حریمہ کی حالت ایسی ہے کہ وہ اکیلی نہیں رہ سکتی اس کی ڈلیوری کا مسئلہ ہے اور ذہاد اکیلا نہیں رہ سکتا' اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" عرفانہ بیگم نے اسے سمجھایا۔ "ارے یار میں ہوں نا...... کیوں پریشان ہوتی ہو۔" ذہاد نے اسے تسلی دی تو وہ ذہاد کو دیکھنے لگی' اس دشمن جان کے ساتھ چوبیس گھنٹے کیسے رہ پاؤں گی یہاں تو کم از کم دن بھر ادھر ادھر گھومتی رہتی سب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' گھومنا سب کچھ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ رہنا جس کی آنکھوں میں راعیہ کے لیے حقارت ہوتی' جس کے دل میں راعیہ کے لیے کبھی بھی کوئی نرم جذبہ نہ ابھرا ہمیشہ تلخ اور زہر میں بجھے لفظ ہوتے۔ یا اللہ! یہ کیسا امتحان ہے؟" کپڑے پیک کرتے ہوئے وہ رو رہی تھی۔ "رونا کس بات کا ہے...... میری میت پر جا رہی ہو کیا؟" وہ سر پر کھڑا تھا۔ "اللہ نہ کرے۔" وہ بے ساختہ بولی' ذہاد کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "دل میں تو "آمین" کہا ہوگا ہے ناں۔" وہ بالمقابل بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "پلیز ذہاد!" اس نے بے دردی سے اپنے ہونٹ کچلے۔ "ویسے سچ سچ بتانا' دل تو چاہتا ہوگا ناں کہ کب میں مروں اور کب تمہاری جان چھوٹے ہے ناں......" وہ صبر آزمائے جا رہا تھا۔ "خدا کے لیے ذہاد! مت آزمائیں میرا صبر۔" وہ بلکتے سے چیخی اور روتی ہوئی واش روم کی طرف بھاگی' پیچھے ذہاد کا قہقہہ ابھرا۔ دیر تلک منہ دھوتے ہوئے ڈھیر سارے آنسو بھی بہا ڈالے طنز کا' تکلیف اور دکھ دینے کا کوئی لمحہ وہ ضائع نہیں کرتا تھا۔ نت نئے طریقوں سے کچوکے لگاتا اس کی روح کو چھلنی کیے جاتا اور ساتھ ساتھ زخموں پر نمک پاشی بھی کرتا رہتا۔ آخر کار وہ اور ذہاد لاہور آ گئے' اچھا بھلا بڑا سا گھر تھا احسان صاحب کے گھر کام کرنے والے ملازم نے ضرورت کی ہر چیز لا کر رکھ دی تھی۔ صفائی بھی ہو چکی تھی' ہلکا پھلکا سا سامان سیٹ کرکے راعیہ نے ہاتھ لیا تھا۔ ذہاد بھی ہاتھ لے کر آیا تو راعیہ چائے بنا لائی' احسان صاحب کے ملازم نے کچن میں بھی ضرورت کا سامان رکھ دیا تھا' مغرب کی نماز پڑھ کر وہ کچن میں آئی فریج سے چکن نکالی' ذہاد کو چکن کڑاہی پسند تھی اس نے کھانے میں چکن کڑاہی پکا لی' ذہاد گھر سے باہر گیا ہوا تھا' کھانا تیار کرکے وہ لاؤنج میں آ گئی اور ٹی وی آن کر لیا' ادھر ادھر کے پروگرام دیکھتی رہی' نو بجے ذہاد آ گیا۔ وہ لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں آئی تا کہ کھانا گرم کر سکے' عام سے کاٹن کے بلو اور گرین سوٹ میں لمبے بالوں کو کیچر میں جکڑے وہ کام میں مصروف تھی' ذہاد اسے دیکھ رہا تھا۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر ذہاد کو آواز دی تو ذہاد ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آ بیٹھا' چکن کڑاہی' روٹیاں' سلاد وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا جھوٹے منہ اسے بلایا تک نہیں۔ عجیب بدتمیز ہے وہ دل میں سوچنے لگی ڈٹ کر وہ کھاتا رہا کھانا کھا کر ٹی وی دیکھنے بیٹھ گیا وہ خاموشی سے برتن سمیٹنے لگی۔ کچن صاف کرکے راعیہ کمرے میں آ گئی' بہت اداس تھی وہ یہاں اس کے ساتھ رہنا کسی عذاب سے کم نہ تھا مگر گزارا تو کرنا ہی تھا۔ اسے خود کو ان حالات میں ایڈجسٹ تو کرنا تھا کہ نہ جانے کتنے دن اسے یہاں رہنا تھا۔ دن سست رفتاری سے بے کیف انداز میں گزر رہے تھے تقریباً روزانہ گھر سے فون آ جاتا سب لوگوں سے تفصیلی بات ہوتی۔ ذہاد صبح گیا آفس سے شام کو لوٹتا' وہی سرد مہری' بیگانگی اور بے اعتنائی ہنوز برقرار تھی' راعیہ اب ان باتوں پر دھیان نہ دیتی۔ چپ چاپ اس کی کئی تنقی رہتی اور اپنے کام میں مصروف رہتی۔ موسم بہت حسین ہو رہا تھا صبح سے ہلکی ہلکی بارش نے موسم کی خوب صورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ایسے موسم کی تو وہ بچپن سے دیوانی تھی' دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بارش کی برستی بوندوں میں نہاتی رہے اور اس وقت اسے آس پاس کا کوئی احساس بھی نہ رہے۔ اس وقت بھی یہی کیفیت سے دوچار تھی' موسم کے حسن کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی' ساری رنگینیاں اپنے اندر سمو لینا چاہتی تھی۔ ایسے ہی موسم پر شاعروں نے کتنی حسین نظمیں کہی ہیں۔ ساون تو ملن کا تو کہیں جدائی کا نام ہے' کہیں ساون کی برستی بوندیں جسم و جاں میں آگ لگا دیتی ہیں تب ہی دل کرتا ہے کہ جانے والا لوٹ کر آ جائے۔ "ذہاد کاش...... کاش تم بھی جاؤ۔ تمام تلخیاں بھول کر تمام رنجشیں مٹا کر۔" دل سے آہ نکلی۔ "کاش تم لوٹ آؤ' سنا ہے۔ بارش برسی ہے' بہاریں لوٹ آئی ہیں بہت رنگین موسم ہے' بہاریں لوٹ آئی ہیں برستے بادلوں نے پھر سے بہت سے تذکرے چھیڑے' تمہاری یاد کے منظر' میری آنکھوں میں پھر ٹھہرے کہ دھند میں لپٹے سرمئی بادل بھی لوٹ آئے' ہوا کا شور اور جھومتے منظر بھی لوٹ آئے' گرجتے بادل آ کر مجھے پھر سے سناتے ہیں تمہارے ساتھ جو گزرے وہ منظر یاد آتے ہیں میں کیسے مان لوں جاناں...... بہاریں لوٹ آئی ہیں کہ جب تم لوٹ آؤ گے تو یہ موسم بھی بدلے گا' بہاریں لوٹ آئیں گی یہاں منظر بھی بدلے گا' سنو...... تم لوٹ آؤ ناں......!" دل بے حد اداس ہو رہا تھا' دوپہر کے بعد موسم نے مزید پلٹا کھایا اور تیز بارش شروع ہو گئی۔ راعیہ نے کمرے کی کھڑکی سے لان کا نظارہ کیا' کتنا حسین منظر تھا' سارے پودے بارش میں نہا کر مزید نکھر گئے تھے۔ گیٹ کے آس پاس لگی چنبیلی کی اونچی اونچی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ اتنا حسین موسم تھا اور وہ...... وہ کتنی تنہا اور اداس تھی۔ اس موسم میں اگر...... اگر ذہاد کا محبت بھرا ساتھ ہوتا تو وہ بے ساختہ لان میں چلی آئی' بارش میں بھیگتے رہنے سے جیسے وہ خود سے بیگانی ہوتی چلی گئی۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ بھیگتی رہی اور جب تھک گئی تو برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی' ستون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے آس پاس کے ماحول سے خود کو نکال' پانی کا شور اور مٹی کی سوندھی خوشبو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی۔ فیروزی اور بلیک کاٹن میں جارجٹ کا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ بے خبر بیٹھی تھی' لمبے کھلے بالوں سے ٹپکتا قطرہ قطرہ پانی اس کی گود میں گر رہا تھا۔ ذہاد گیٹ کا لاک کھول کر اندر آیا تو خود سے بے خبر آنکھیں موندے راعیہ کو دیکھتا رہ گیا' دھلا دھلا نکھرا چہرہ' معصوم سوگوار حسن اور بالوں سے ٹپکتا پانی ذہاد کو بے قابو کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ آہستگی سے راعیہ کے قریب آ گیا' دل نادان کوئی گستاخی کرنے کو مچلنے لگا اس سے پہلے کہ وہ جذبات میں آ کر کچھ کر بیٹھتا' آہٹ پر راعیہ نے آنکھیں کھولیں' ذہاد کو اس قدر قریب دیکھ کر گھبرا کر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ ذہاد نے بھی جلدی سے خود کو سنبھال لیا' راعیہ بنا کچھ کہے اندر کی طرف بھاگی اور ذہاد اس کے ملکوتی حسن کو دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ ذہاد کے لیے چائے لے کر لاؤنج میں آئی' وہ ہاتھ لے کر کپڑے چینج کر چکی تھی۔ ریڈ اور فان کلر کے سوٹ میں سلجھے ہوئے بالوں میں وہ اب بھی بلا کی حسین لگ رہی تھی' ذہاد کو چائے تھما کر وہ کمرے میں آ گئی۔ وہ فوراً اس کے سر پر پہنچ گیا۔ "سنو! یہ حرکتیں کرکے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" اچانک بے تکے سوال پر وہ حیران رہ گئی۔ "کیوں میں نے کیا کیا؟" معصومیت سے الٹا سوال کر ڈالا۔ "بارش میں بھیگ کر یوں خود کو شو آف کرکے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ بہت حسین ہو' مجھے امپریس کرنا چاہتی ہو ان حرکتوں سے؟ مگر یاد رکھو میں تمہاری ان فتنے بازیوں میں نہیں آنے والا۔" کس قدر چھوٹی اور عامیانہ بات کر رہا تھا ایک پڑھا لکھا اور سمجھدار انسان تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ "پلیز ذہاد اب بس بھی کر دیں۔" وہ چیخی۔ "اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالو مجھے' تیزاب پھینک دو میرے چہرے پر' بگاڑ دو میری شکل' ہاتھ پیر توڑ کر مجھے اپاہج بنا ڈالو۔ میں کیا کروں؟" وہ بری طرح رو دی اور ذہاد بک بک کرتا ہوا کمرے سے جا چکا تھا۔ بیڈ پر گر کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یا اللہ میرے نصیب میں کب تک جلنا ہے؟ ہجر کے عذاب کب تک سہنے ہیں؟ یوں پل پل قطرہ قطرہ زہر کب تک اتارتی ہوں اپنے اندر؟ میں نے تو دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ خلوص دل کے ساتھ اس بے رحم کا ساتھ مانگا تھا' اسے دعاؤں میں مانگا تھا اور وہی شخص مجھے مل تو گیا مگر...... میرا نہ بن سکا جو لفظوں کے نشتر سے مجھے روزانہ گھائل کرتا ہے' سوچ سوچ کر نئے زخم دیتا ہے' نئے کچوکے لگاتا ہے میں کیا کروں میرے رب' مجھے حوصلہ دے وہ رب کے سامنے گڑگڑاتی رہی۔ دن اسی طرح بے کیف بے رنگ اور اداسی کے ساتھ گزرتے جا رہے تھے حریمہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن گئی تھی۔ راعیہ نے فون پر اسے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ مبارک باد دی تھی لیکن دل ویسے ہی اداس ہو گیا تھا۔ وہ کال بند کرکے پلٹی تو سامنے وہ دشمن جاں کھڑا تھا۔ "کیا ہوا...... منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟ خوشی نہیں ہوئی میرے بھائی کے گھر بیٹا ہوا ہے؟" طنز کا تیر پھینکا۔ "اوہ اب میں سمجھا" معنی خیز انداز میں کہہ کر اس کے قریب آ گیا۔ "کیا سوچیں پال رہی ہو؟" زوردار قہقہہ لگا کر اس کی دکھتی رگ پر وار کیا۔ کیسا جادوگر ہے سب کچھ جانتا ہے سمجھتا۔ "ہاہاہا......" وہ قہقہہ لگانے لگا۔ "ذہاد! خدا آپ کو سمجھے' بہت برے ہیں آپ۔ جتنے بھی تیر ہیں ترکش میں سارے ایک ساتھ ہی کیوں نہیں چلا دیتے' قطرہ قطرہ کیوں مار رہے ہیں آپ؟" بے بسی سے احتجاج کیا۔ "واہ جی واہ' ایسے کیسے تمہیں ایک ساتھ ہی چھٹکارا دے دوں؟" اس کا لہجہ ایک دم سفاک ہو گیا۔ "میری خالہ تو بائیس سال سے قطرہ قطرہ مر رہی ہیں اور تم...... تم کچھ ماہ میں بے زار ہو گئیں۔ نہ جی نہ...... تم کو بھی پل پل مرنا ہوگا' ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ تم کو بھی ویسے ہی لمحہ لمحہ تڑپنا ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں وحشت تھی' راعیہ کانپ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ڈریسنگ پر پھینک کر وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔ دن گزرتے جا رہے تھے' بے لذت' بے کیف اور اداسی کے ساتھ گزر رہا تھا ایک ایک پل اور آنے والا ہر ہر پل اس کے لیے ذہاد سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا جا رہا تھا' برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ چوبیس اپریل ان کی شادی کی تاریخ تھی' تئیس اپریل کی صبح راعیہ کی طبیعت بہت مضمحل تھی۔ ایک سال ہو گیا تھا اور اس ایک سال میں ایک بار بھی ذہاد نے اسے محبت بھری نظر سے نہ دیکھا تھا۔ ایک جملہ بھی نارمل انداز میں نہیں کہا تھا' سارا سال کتنے کرب و عذاب سے گزرا تھا اور ستم تو یہ تھا یہ سب کچھ اسے اکیلے برداشت کرنا تھا' اپنا دکھ کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ زخم تھے مگر مرہم لگانے والا کوئی نہ تھا' روح گھائل کی جا رہی تھی مگر کوئی دل جوئی کرنے والا نہ تھا' بہت بے چینی اور بے کیفی میں سارا دن گزرا تھا۔ اب ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔ دادو اور سب لوگ بہت یاد آ رہے تھے سارا دن وہ روتی رہی۔ شام کو وہ آفس سے لوٹا تو راعیہ کسی حد تک خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئی تھی' حسب معمول رات تک گھر کے کام نپٹاتی رہی۔ رات کو سونے کے لیے آئی تو بارہ بجنے والے تھے' اس کی نگاہ گھڑی کے مرکز پر ٹھہر گئی' چوبیس اپریل چند منٹ بعد دن بدلنے والا تھا اس کی بربادی کا دن...... ٹھنڈی سانس لے کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ وہ کتنا بے خبر اور مطمئن تھا' تب ہی گھڑی نے بارہ بجائے اور موبائل بھی بج اٹھا' ربیعہ کی کال آئی تھی۔ "مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے...... بیوٹی فل کپل۔" اسپیکر آن کرکے ذہاد نے کال ریسیو کی تھی۔ "تھینک یو سو مچ بھابی!" اس کے لہجے میں حد درجہ مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔ "بھابی یار! ابھی تو ہم اپنی بیگم کو وش کرنے لگے تھے کہ آپ نے ہمیں ڈسٹرب کر دیا۔" بھرپور قہقہہ کے ساتھ ترچھی نظر راعیہ پر ڈالی۔ راعیہ نے بے تحاشا مچلنے والے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کی اب حریمہ آ گئی تھی۔ "ذہاد بھیا! اب مجھے بھی جلدی سے چاچی بنا دیجیے ناں!" اس کی شوخ آواز ابھری۔ "دعا کرو یار کوششیں تو جاری ہیں۔" وہ تو چوٹ لگانے میں ماہر تھا۔ "او کے بھئی اب ہماری بیگم سے بات کرو۔" اس نے موبائل راعیہ کو تھما دیا' نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کہتے رہے اور راعیہ آنسوؤں کو قابو کرتے ہوئے ہوں ہاں کرتی رہی۔ "ذہاد......" کال بند کرکے وہ ذہاد کی طرف پلٹی۔ "آخر کب تک...... کب تک مجھے اذیت دیتے رہیں گے۔ میں...... میں کب تک برداشت کروں؟ نہیں کر سکتی اور برداشت میں...... ایک سال سے ہر دن اور ہر رات ایک ایک پل میں نے عذاب میں گزارا ہے۔ روئی ہوں' تڑپی ہوں۔ مسلسل چوٹ سے تو پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے میں تو انسان ہوں' کمزور اور بے بس۔" وہ اس کے آگے بے بسی سے شکوہ کناں تھی مگر ذہاد تو اطمینان سے اخبار پڑھنے میں مشغول تھا جیسے وہ پاگل ہے' بکواس کر رہی ہے اور اس کی بات کا اس کے احتجاج کا ذہاد پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا پھر وہ اٹھا اور گنگناتا ہوا واش روم میں چلا گیا' راعیہ اپنے آنسو صاف کرکے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں سوئی' صبح اٹھا تو ذہاد بالکل فریش اور مطمئن تھا' ساری رات جاگنے اور مسلسل رونے کی وجہ سے راعیہ کی آنکھیں بوجھل اور متورم ہو رہی تھیں۔ روئی روئی آنکھوں پر پلکوں کی بھاری چلمن اس کے سوگوار حسن کو مزید حسین بنا رہی تھیں' ناشتے سے فارغ ہو کر ذہاد آفس چلا گیا۔ دن بھر کسی نہ کسی کی کال آتی رہی دوپہر کو وہ بہت اداس ہوئی تو شادی کی سی ڈی دیکھنے بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت کتنی خوش اور مطمئن تھی' دادو' پاپا' تایا جی' تائی امی' طلال' حریمہ اور ربیعہ سب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ سی ڈی بند کرکے لان میں آ گئی تب ہی تابندہ خالہ کی کال آ گئی۔ "بہت بہت مبارک ہو چندا! دیکھو ایک سال ہو گیا' اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے' آمین۔ کہاں ہے وہ شریر؟" تابندہ نے کھنکتے ہوئے لہجے میں مبارک باد دے کر ذہاد کا پوچھا۔ "جی وہ آفس میں ہیں۔" راعیہ آہستگی سے بولی۔ "کیا آفس میں' آج بھی آفس...... پاگل ہو گیا ہے کیا وہ؟ ایک تو تم اکیلی اور آج کے دن بھی وہ بے وقوف آفس گیا ہے۔" تابندہ نے قدرے غصے سے کہا۔ "چلو میں اس کے سیل پر بات کرتی ہوں۔" انہوں نے کال بند کر دی۔ تابندہ کا پیار بھرا خفگی لیے ہوئے لہجہ' محبت' اپنائیت' بات میں ٹھہراؤ اور اطمینان' کیا یہ عورت دوہری زندگی گزار رہی ہے؟ کیا یہ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں؟ کیا وہ اپنی زندگی ایک سمجھوتے کی مانند گزار رہی ہیں؟ وہ بھی اذیت میں ہیں؟ بے شمار سوالات راعیہ کے ذہن میں آ رہے تھے جس کا جواب اسے نہیں مل سکا۔ "ہیلو خالہ! کیسی ہیں آپ؟" ذہاد نے تابندہ کی کال ریسیو کی۔ "اے ون' فٹ اینڈ فائن۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "بہت مبارک ہو شادی کی سالگرہ۔" تابندہ نے کہا۔ "اور تمہارا دماغ خراب ہے کیا جو آج کے دن بھی تم بچی کو اکیلا چھوڑ کر آفس میں دماغ کھپا رہے ہو۔ ایک تو وہ پہلے ہی گھر سے دور ہے آج کا دن اس کے ساتھ گزارنا تھا ناں پاگل۔ دل کر رہا ہے کان پکڑوا کر تمہیں الٹا بیٹھک کرواؤں۔" "ہاں تو خالہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ وہ تنہا رہے۔" ذہاد نے کہا۔ "مطلب...... کیا چاہتے ہو تم؟" تابندہ اس کی بات سمجھ نہ پائیں۔ "خالہ! میں نے آپ کا بدلہ' وصی چاچو کی لاڈلی بیٹی سے لینے کا جو فیصلہ کیا تھا یہ سب کچھ اسی سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔ وہ میری بیوی تو ہے مگر میرے پیار کو میرے ساتھ کو ترستی ہے۔ خالہ! میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک رات...... دادا جی کی موت' آپ کو رد کیا جانا' آپ کی سسکیاں' وصی چاچو کے کمرے میں جا کر ان کی تصویر سے باتیں کرنا اور آج جب راعیہ روتی ہے' سسکتی تڑپتی ہے تو مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ بہت تسلی ہوتی ہے' اسے روتا بلکتا دیکھ کر اسے تڑپا کر۔" اس کے لہجے میں راعیہ کے لیے بلا کی نفرت تھی۔ "کیا...... کیا بکواس ہے یہ...... کیا بکے جا رہے ہو تم؟ کیا کر رہے ہو اس معصوم کے ساتھ؟" تابندہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ "خالہ جس شخص نے آپ کو ٹھکرایا میں اس کی بیٹی کو پل پل ٹھکراؤں گا۔" "اف خدایا...... یہ تم کیا بول رہے ہو؟ افسوس ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر' تمہاری چھوٹی سوچ پر' اس جاہلانہ حرکت پر...... میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گر سکتے ہو' اتنی چھوٹی اور بچکانہ حرکت کر سکتے ہو تم کہ پچھلے ایک سال سے تم بے گناہ بچی کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہو۔ اف خدایا میرا دل کر رہا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں یا خود کو ختم کر ڈالوں کہ تم میری وجہ سے یہ سب کر رہے ہو؟ کیا میں نے کبھی تم سے اپنی دوہری زندگی کا ذکر کیا ہے؟ کبھی کسی موقع پر تمہیں یہ لگا کہ میں ناخوش ہوں۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں؟ میں نے کب تمہارے سامنے اپنے نصیبوں کا گلہ کیا؟ کبھی تمہارے سامنے روئی تڑپی' کبھی یہ ظاہر کیا کہ میں خوش نہیں ہوں؟" تابندہ باقاعدہ رونے لگی تھیں۔ "احسن سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں' ہمارا کپل بہت خوش اور مطمئن زندگی گزار رہا ہے اور ایک بات یاد رکھو احسن وصی کے دوست تھے اور وصی کے کہنے پر انہوں نے مجھے اپنایا تھا۔ میری اتنی تعریفیں کیں کہ وہ بنا دیکھے مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہو گئے اور ساری زندگی مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ مثالی محبت دی مجھے' میں تو اس بات کو کب کی بھول چکی ہوں' یہ تو سب نصیبوں کی بات ہے جس کے ساتھ نصیب جڑا ہو وہیں ہوتا ہے۔ اتنی کراہیت اور شرمندگی ہو رہی ہے' مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے کہ تم نے میری وجہ سے ایک بیکار بات کو ایشو بنا کر کتنی گھٹیا حرکت کی ہے۔ لعنت ہے ذہاد تم پر اور تمہاری گری ہوئی سوچ پر۔ میں تم کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔" تابندہ کی آواز لرزنے لگی تھی اور دوسری جانب ذہاد کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اس نے اپنا سر تھام لیا' وہ کیا کر بیٹھا تھا۔ "سوری خالہ! مجھے معاف کر دیں' میں غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔" ذہاد روہانسا ہو گیا تھا۔ "معافی...... مجھ سے معافی مانگ رہے ہو ارے معافی تو مانگو اس معصوم اور بے گناہ بچی سے جو صبر اور خاموشی سے تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتی رہی ہے۔" تابندہ کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔ "خالہ پلیز آپ مان جائیں میں...... میں منا لوں گا اسے بھی۔" وہ ملتجی تھا۔ "اگر تمہیں راعیہ معاف کرے گی تو آئندہ مجھ سے بات کرنا ورنہ نہیں۔" تابندہ نے حتمی انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ "اوہ خدایا! یہ میں نے کیا کر دیا۔ بنا سوچے سمجھے جذبات کی رو میں بہتا چلا گیا اور ایک بات کو جواز بنا کر......" اس کی نگاہوں میں راعیہ کا معصوم اور سوگوار چہرہ آ گیا۔ دفعتاً اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب چل دیا۔ "سنو! احسان صاحب کی بیوی نے ہمیں آج ڈنر پر بلوایا ہے' میرے آنے تک تم تیار رہنا۔" نکلنے سے پہلے اس نے راعیہ کو کال کی تھی۔ "ذرا اچھی طرح تیار ہونا' آفس کے کچھ لوگ بھی ہوں گے۔" اس کی ہدایت تھی۔ راعیہ کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی اور کافی دیر بعد گھر پہنچا اس نے ڈھیر سارے موتیا اور گلاب کے گجرے بھی لے لیے تھے۔ راعیہ وقت سے پہلے تیار ہو گئی تھی بلو اور گرین کنٹراسٹ کی ہلکے کام کی ساڑھی جو پہن کر وہ تیار ہو گئی' ہلکا سا میچنگ نگینوں والا سیٹ پہنے' لمبے بالوں کو شانوں پر ایسے ہی بکھیرے' ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں پہنے سلیقے سے کیے گئے ہلکے سے میک اپ میں تیار ہو کر وہ کرسی پر بیٹھی تو ہلکا سا نیند کا غلبہ آ گیا۔ ذہاد اندر آیا اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا' وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ وہ ذہاد کے دل میں اترتی چلی گئی' پہلی بار ذہاد اسے اتنے قریب سے اور ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ذہاد یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ دل مچل رہا تھا اسے بانہوں میں بھرنے کے لیے جو اس کی بیوی تھی' ہاتھوں میں پکڑی ڈھیر ساری موتیا کی کلیاں اس کی طرف اچھال دیں اور خود بھی قریب چلا آیا' کلیوں کی مہک اور اس کے ساتھ ذہاد کے پرفیوم کی مخصوص مہک کے ساتھ اس نے آنکھ کھولی۔ ذہاد اتنا قریب تھا کہ اس کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کر کے وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی' ذہاد نے اس کو کاندھے سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ ذہاد کو اتنا قریب پا کر وہ حیران تھی ذہاد کی آنکھوں میں آج کچھ نیا پن تھا' کوئی خوب صورت جذبہ' شرمندگی اور ندامت بھی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ذہاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے سے روک دیا۔ "راعیہ پلیز...... میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر مجھے پتا ہے تم بہت پیاری لڑکی ہو' تمہارا دل بہت پیارا ہے اور تم...... ضرور اپنے اس گناہ گار کو معاف کر دو گی۔ آئی ایم ویری سوری میری جان! مجھے معاف کر دو پلیز...... اگر تم تڑپی ہو تو یقین کرو کہ میں بھی بہت تڑپا ہوں تمہارے لیے مگر...... نہ جانے کیسی ضد تھی؟ کیسا فضول خیال تھا میرا...... کیسی چھوٹی اور گندی سوچ تھی کہ میں نے تمہارے ساتھ اتنا کچھ کیا' اتنا ظلم' اتنی زیادتی لیکن تم...... تم بہت عظیم ہو۔ بہت اچھی ہو راعیہ! شکر ہے آج...... آج کے اس یادگار اور خوب صورت دن مجھے عقل آ گئی' تابندہ خالہ نے مجھے بہت ڈانٹا اور مجھے اپنی غلطی کا احساس دلایا۔ میں واقعی بہت برا ہوں بہت برا...... معافی کے قابل بھی نہیں مگر پھر بھی مجھے تم سے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔ میں تمہارے سامنے ہوں' اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ' تم مجھے کوئی سزا دو مجھے قبول ہوگی۔ کیا...... کیا تم اپنے گناہ گار کو معاف کر دو گی؟" وہ اس کے سامنے نیچے فرش پر بیٹھا ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہا تھا۔ راعیہ حیرت اور غیر یقینی انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی' کہیں...... کہیں یہ خواب تو نہیں۔ وہ پلکیں جھپکا کر محسوس کر رہی تھی۔ "بولو ناں جان......" وہ سراپا سوال تھا۔ "میں ذہاد ذکی شاہ تمہارے سامنے ہوں' فیصلہ سنا دو۔" وہ بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے تھا' راعیہ کو بے تحاشا رونا آ گیا' اتنی بڑی خوشی اس کے لیے غیر یقینی تھی۔ "نہ...... نہ...... میری جان! آج کے بعد ان آنکھوں میں کبھی بھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔" ذہاد نے اٹھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا اور ہونٹ راعیہ کی گیلی پلکوں پر رکھ دیے۔ "بس اب مسکراؤ...... ہم باہر چل کر گھومیں گے' ڈنر کریں گے' ڈھیر ساری پکس لیں گے اور...... اور......؟" "اور کیا......؟" راعیہ نے اپنی خوب صورت آنکھیں پھیلائیں۔ "اور ہمیں پھر ربیعہ بھابی اور حریمہ کی فرمائش بھی تو پوری کرنی ہے۔" وہ شوخی سے بولا تو راعیہ بلش ہو گئی۔

# شام تنہائی

تحریر:۔ ندیم عباس ڈھکو 0322-5494228

قسط نمبر: 4

لاشوں کی حالت ایسی تھی کہ انہیں دیکھ کر زلیخا سینہ پیٹنے لگی' دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس ہولناک صورت حال میں حواس منتشر ہو رہے تھے۔ رانو بھی ڈگمگاتی ہوئی دونوں ہاتھوں سے سر تھامتی ہوئی گرنے کے انداز میں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ وہاں بکھرا ہوا لہو دیکھ کر سر چکرا رہا تھا۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر ماتم کرنے لگیں۔ پہاڑی علاقوں کے جوان مضبوط اعصاب کے مالک ہوتے ہیں۔ چٹانی حوصلے رکھتے ہیں۔ لیکن اس وقت چٹانوں کی طرح ان کے حوصلے بھی ٹوٹ رہے تھے۔ پہاڑ کبھی نہیں روتے۔ مگر راج محمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اپنی بہن اور چچی کی لاشوں پر ماتم کرنا چاہتا تھا۔ رو رو کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بہنوں کو حوصلہ دینا ضروری تھا۔ اس نے سسکتے ہوئے کہا "خود کو سنبھالو۔ حوصلہ کرو۔ ابھی تو نہ جانے کیا کیا دیکھنا ہے؟ کس کس کے لاشے کو کاندھا دینا ہے؟" رانو نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ "امی کو ڈھونڈیں بھائی......! نہیں تو...... نہیں تو میں مر جاؤں گی۔" وہ بہنوں کو حوصلہ دے رہا تھا۔ مگر اندر سے خود بھی جیسے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ ایک طرف ماں کی فکر تھی تو دوسری طرف سُندس کا خیال دل دھڑکا رہا تھا۔ شہر کے سب ہی گلی کوچوں میں' چھوٹے بڑے قصبوں میں اور تمام دیہاتوں میں موت ایک آسیب کی طرح مسلط ہو گئی تھی۔ کسی گھر سے چار کسی گھر سے چھ اور کسی گھر سے بیک وقت دس میتیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ راج محمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلے امی کو ڈھونڈنا چاہیے۔ پھر چچا کے دونوں بیٹوں کی بھی اسکول کے ملبے میں تلاش کرنا ہے۔" زلیخا نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ سب کیسے ہوگا؟ پتا نہیں وہاں چچا کے بیٹوں پر کیا بیت رہی ہوگی؟ یہاں امی کو نکالتے نکالتے وہاں دیر نہ ہو جائے اور اگر پہلے وہاں جاتے ہیں تو یہاں امی......" راج محمد نے بے بسی سے کہا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ یہاں رہیں یا وہاں جائیں؟ چچا کی بھی کوئی خیر خبر نہیں ہے۔" وہ ملبے کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہمیں امی کو تلاش کر کے اسکول پہنچنا چاہیے۔" رانو نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے بہن کو دیکھا۔ پھر روتے ہوئے پوچھا۔ "امی زندہ ہوں گی نا......؟" کیسی بے بسی تھی۔ کیسی بے یقینی تھی؟ اپنی ماں کی زندگی اور موت کے بارے میں بھی کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ تینوں اس اجڑے ہوئے آشیانے میں ماں کو تلاش کر رہے تھے۔ ملبے میں جہاں بھی کوئی چھوٹا بڑا راستہ مل رہا تھا' وہاں سے اندر جا رہے تھے۔ دیوانوں کی طرح اسے پکار رہے تھے۔ کسی بھی پتھر کو یا ٹوٹے پھوٹے سامان کو ہٹاتے وقت یہ خوف ذہن پر مسلط رہتا تھا کہ کہیں کوئی بھاری چیز لڑھک کر خود ان پر نہ آ گرے۔ راج محمد کو رہ رہ کر سُندس کا خیال آ رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ "ماں کو نکالنے کے بعد اُس کے گھر کی طرف جاؤں گا۔ وادی کے ہر فرد پر قیامت ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ بھی ایسے ہی حالات سے گزر رہی ہو گی۔ یا اللہ! میری ماں کے ساتھ ساتھ میری سُندس کو بھی سلامتی دے۔ اسے کچھ نہ ہو میرے مالک......!" وہ ایک پتھر کو ہٹا کر راستہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر وہ ناکارہ بازو اس کے وزن کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے اس وزنی پتھر کو دیکھا۔ پھر دوسرے ہاتھ اور ایک پیر کے ذریعے اس پر پتھر کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ زلیخا کن انکھیوں سے بھائی کی بے بسی دیکھ رہی تھی۔ فوراً ہی اس کے پاس آ کر پتھر کو ایک طرف دھکیلنے لگی۔ دونوں کی کوششوں سے وہ پتھر ہٹ گیا۔ ملبے کے اندر جانے کا راستہ بن گیا۔ مگر وہ راستہ تھوڑی دور جا کر مسدود ہو گیا تھا۔ وہاں گھر کا آنگن تھا۔ تمام آرائشی سامان کاٹھ کباڑ کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ راج محمد نے ماں کو پکارتے ہوئے کہا۔ "امی...... امی جی......! کیا تم یہاں ہو......؟" پھر وہ خاموش ہو کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔ بہنیں بھی دم سادھے کھڑی تھیں۔ دل ہی دل میں ماں کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت ملبے کے اندر کہیں ہلکی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی چیز گری ہو۔ انہوں نے ایک دم سے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ زندگی کی آہٹ سنائی دی تھی۔ جیسے ماں نے پکارا تھا۔ راج محمد فوراً ہی اکڑوں بیٹھ کر اندر جانا چاہتا تھا۔ زلیخا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "آگے اور بھی سامان ہوگا۔ آپ ایک ہاتھ سے کیا کریں گے؟ ہٹ جائیں۔ مجھے اندر جانے دیں۔" اس نے ایک ذرا شرمندگی سے بہنوں کو دیکھا۔ پھر وہاں سے ہٹ گیا۔ زلیخا فوراً ہی اکڑوں بیٹھ کر اندر جانے لگی۔ چھوٹی بہن اور راج محمد اس راستے کے دہانے پر بیٹھے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ پنجوں کے بل آگے بڑھتی جا رہی تھی اور وقفے وقفے سے ماں کو پکارتی جا رہی تھی۔ جواباً کبھی کبھی دور نزدیک سے ہلکی سی کھٹ پٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ مختلف سامان اور در و دیوار کا ملبہ رکاوٹ بن رہا تھا۔ آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر ماں کو بچانے کا جذبہ ایسا تھا کہ وہ آگے اور آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ راج محمد اور رانو کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ بھائی نے بلند آواز میں پوچھا۔ "زلیخا......! تم کہاں ہو؟ امی کا کچھ پتا چلا......؟" اس کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ "میں ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ یہیں کہیں ہیں۔" وہ دونوں بے چینی سے کسی خوشخبری کا انتظار کر رہے تھے۔ ملبے کے پیچھے سے کبھی سامان کو ادھر سے ادھر ہٹانے کی آوازیں آ رہی تھیں' کبھی کبھی زلیخا کی مدھم پکار سنائی دے رہی تھی۔ وہ ماں کو ڈھونڈتی ہوئی پکارتی ہوئی اپنے وسیع و عریض مکان کے ملبے میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی؟ جہاں وہ پہنچی' وہاں مایوسی ہوئی۔ وہاں ماں نہیں تھی۔ ایک بلی نے اسے دیکھتے ہی میاؤں کہا۔ جیسے اس قبرستان میں خوش آمدید کہہ رہی ہو۔ آس پاس کے راستے بند تھے۔ وہ اب تک پھنسی ہوئی تھی۔ زلیخا کی طرف سے آنے والا راستہ دکھائی دیا تو وہ چھلانگ لگاتے ہی کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔ وہ چیز اپنی جگہ سے ہلی تو آس پاس کی چیزیں اور پتھر لرزنے لگے۔ وہ عجیب منظر تھا۔ بلی دوڑتی جا رہی تھی۔ اور ملبہ گرتا جا رہا تھا۔ زلیخا کی ایک دلدوز چیخ سنائی دی۔ ادھر کا ملبہ بیٹھ کر خاموش ہو گیا۔ بلی باہر نکل آئی۔ راج محمد لرز کر رہ گیا۔ چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگا۔ "زلیخا......! باہر آؤ...... فوراً باہر نکلو......" وہ سر جھکا کر دیکھنے لگا۔ جہاں سے زلیخا گزر کر گئی تھی' وہاں کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ اوپر سے بیٹھنے والا ملبہ کہہ رہا تھا ایک تازہ قبر بن چکی ہے۔ رانو نے روتے ہوئے۔ بھائی! باجی چپ کیوں ہے؟ بولتی کیوں نہیں......؟" راج محمد پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ قدرت کا کیا عجب تماشا تھا اُس بلی کو وہاں دب کر مرنا تھا۔ مگر وہ زندہ نکل آئی تھی اور مُردوں کو تلاش کرنے والی بہن وہاں پہنچ کر زندگی ہار گئی تھی۔ اسکول کے ملبے سے زندہ سلامت نکلنے والی کیا جانتی تھی کہ موت اس کے اپنے گھر کے ملبے تلے اس کی منتظر ہے۔ ایسے ہی وقت محلے کا ایک لڑکا دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا پھر ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "راج بھائی! وہ...... تمہاری امی...... وہاں۔ حاجی صاحب کے ملبے میں دبی ہوئی ہیں۔ جلدی چلو...... انہیں نکالو......" راج محمد نے شدید حیرانی سے یہ سُنا۔ ماں کو ادھر ڈھونڈا جا رہا تھا وہ اُدھر پڑی ہوئی تھی اور اسے ڈھونڈنے والی بیٹی ادھر ملبے میں...... اس نے ملبے کی طرف دیکھا پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆☆☆

سُندس دل ہی دل میں بھائی کے لیے دعائیں مانگتی ہوئی اسکول کے آثار ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ دل کہہ رہا تھا اس کا بھائی شیرو زندہ ہے مگر کہاں ہے یہ سراغ نہیں مل رہا تھا۔ وہ جگہ جگہ ملبے سے نکلی ہوئی لاشوں کو اور درجنوں تڑپتے بلکتے زخمی افراد کو دیکھ دیکھ کر اندیشوں میں مبتلا ہو رہی تھی۔ گھر کی چار دیواریوں میں سکھ چین سے رہنے والیاں تقدیر کی ایک ہی ٹھوکر سے کھلے میدانوں میں آ گئی تھیں۔ ننگے آسمان تلے ننگے سر ننگے پاؤں اپنے پیاروں کے لاشوں پر بین کر رہی تھیں۔ ادھر اُدھر بھٹکنے میں آدھا گھنٹا گزر گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹتے ہوئے بولی۔ "ہائے شیرو......! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ تیرا اسکول کہاں گم ہو گیا؟" دو چار خواتین اپنے گھر کے ملبے کو ہٹانے میں مصروف تھیں۔ ان میں سے ایک نے سُندس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم خواہ مخواہ یہاں بھٹک رہی ہو۔ ہماری اس گلی میں کوئی اسکول نہیں تھا۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کروں؟ اپنے بھائی کو کہاں ڈھونڈوں؟ کوئی مجھے اس کے اسکول تک نہیں پہنچا رہا ہے۔" ایک بزرگ خاتون نے پوچھا۔ "بیٹی! تجھے اسکول والی گلی کی کوئی نشانی یاد ہوگی؟" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "نشانی......؟ ہاں...... ہاں ایک نشانی ہے۔ اس گلی میں بادام کے درخت ہیں۔" "بس تو پھر بادام کے درخت ڈھونڈو۔ پیڑ پودوں کے سوا انسان کے ہاتھوں سے بنی ہوئی ہر چیز نابود ہو گئی ہے۔ وہ درخت تمہیں اسکول تک ضرور پہنچائیں گے۔" وہ "انشاءاللہ......" کہتی ہوئی وہاں سے پلٹ گئی۔ ان مطلوبہ درختوں کو ڈھونڈنے لگی۔ ننگے پاؤں تھی۔ تلوؤں سے لہو رس رہا تھا۔ سر پر اور بدن پر لگے ہوئے زخموں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ مگر بھائی کو ڈھونڈنے کی تڑپ ایسی تھی کہ وہ تمام تکلیفیں بے معنی ہو کر رہ گئی تھیں۔ اسے زیادہ دیر بھٹکنا نہیں پڑا۔ وہ تھوڑی دیر بعد ہی بادام کے اُن درختوں تک پہنچ گئی۔ وہاں بھی کوئی گھر سلامت نہیں رہا تھا۔ اسکول کی عمارت مکمل طور پر منہدم ہو گئی تھی۔ ملبے کے ڈھیر سے پرائمری سکول کا سائن بورڈ جھانک رہا تھا۔ لوگوں کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی اس طرف جانے لگی۔ اُس عمارت کی تمام دیواریں اندر کی طرف گری تھیں پھر کنکریٹ کی بھاری چھت نے ان دیواروں پر اپنا فرش بچھا دیا تھا۔ اس دبیز ملبے کو بیلچوں' کدالوں اور ہاتھوں کے ذریعے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ نہ کوئی اندر سے باہر آ سکتا تھا اور نہ باہر والے اندر جا سکتے تھے۔ سیکڑوں والدین بے بسی سے اپنا سر پھوڑ رہے تھے۔ بلک بلک کر امداد کی التجائیں کر رہے تھے۔ وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ملبے میں ادھر اُدھر سے جھانکتے ہوئے اپنے شیرو کو پکارنے لگی۔ اندر پھنسے ہوئے بچوں کی آہیں' کراہیں اور سسکیاں ہر فرد کو تڑپا رہی تھیں۔ ماؤں کے کلیجے پھٹ رہے تھے۔ کچھ اپنے جگر گوشوں کو پکارتے پکارتے' سینہ کوبی کرتے کرتے غم کی شدت سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ وہاں موجود تمام افراد اپنے اپنے طور پر تدبیریں کر رہے تھے۔ کسی بھی طرح اس ملبے کے اندر پہنچ کر زندہ بچوں کو نکالنے کی فکر میں تھے۔ مگر بے بسی ان کی تمام تدبیروں پر پانی پھیر رہی تھی۔ وہ بھی اپنے شیرو کو وہاں سے نکالنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سینہ پیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "ہائے اللہ! میں کیا کروں؟ اپنے بھائی کو کیسے بچاؤں؟ پتا نہیں وہ کیسی اذیت سے گزر رہا ہوگا؟" لوگ آپس میں صلح مشورے کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "بچوں کو جلد از جلد باہر نہ نکالا گیا تو یہ آکسیجن کی کمی سے اور ملبے کے وزن سے دب کر مر جائیں گے۔" سُندس نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ دوسرے شخص نے کہا۔ "مگر اس ملبے کو ہٹانا آسان نہیں ہے۔" "تو پھر ان معصوموں کا کیا ہوگا؟" اس سوال پر سب ہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "ان وزنی دیواروں اور چھتوں کو کرین کے ذریعہ ہٹایا جا سکے گا۔" کسی نے تعجب سے پوچھا۔ "کرین......؟" "کرین کہاں سے آئے گی؟" "حکومت کی طرف سے اور کہاں سے......؟ کوئی نہ کوئی امدادی ٹیم اس ملبے کو ہٹانے کے لیے یہاں پہنچنے والی ہوگی۔" اس شخص کی اس بات نے نہ جانے کتنے دلوں میں امید کی شمعیں روشن کر دیں۔ ہر زبان پر یہ دعائیں مچلنے لگیں کہ وہ امدادی ٹیم جلد از جلد ان کی داد رسی کے لیے وہاں پہنچ جائے۔ سُندس تھک ہار کر ملبے کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ بڑے دکھ سے بڑے کرب سے معصوم کراہوں کو سن رہی تھی۔ بے بسی سے اپنے بھائی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کا زندگی سے بھرپور معصوم سا چہرہ رہ رہ کر نگاہوں کے سامنے ابھر رہا تھا۔ اس کی باتیں' اس کی شوخیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ ملبے کے پتھروں کو ایک ہاتھ سے سہلاتے ہوئے بول رہی تھی۔ "حوصلہ کرو شیرو! امدادی ٹیم بس آتی ہی ہوگی۔ تم تو میرے بہادر بھائی ہو ناں......؟ ہمت سے کام لیتے رہو۔ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ایک گھنٹا گزر گیا۔ لوگوں کی بے چینی بڑھنے لگی۔ حکومت کی طرف سے کوئی امدادی ٹیم تو کیا؟ ایک بندہ بھی صورت حال کا جائزہ لینے اب تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ایک شخص نے مایوسی سے کہا۔ "لگتا ہے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔" دوسرے شخص نے کہا۔ "مظفر آباد آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے۔ اس کی تباہی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔" "شہر کی تمام چھوٹی بڑی سڑکیں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ پہاڑوں سے اب بھی بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہیں۔ شاید اسی لیے حکومتی کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے؟" ایک عورت نے روتے ہوئے پوچھا۔ "ہم کب تک یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے ان کا انتظار کرتے رہیں گے؟" سُندس نے پریشان ہو کر کہا۔ "ان بچوں کی آوازیں مدھم پڑتی جا رہی ہیں۔ خدا کے لیے...... کچھ کریں۔ انہیں زندہ درگور ہونے سے بچا لیں۔" تمام مرد حضرات نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایسے ہی وقت علاقے کے اوپر سے گزرنے والے ہیلی کاپٹر کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ سب منہ اٹھا اٹھا کر آسمان کو تکنے لگے۔ ایک نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو...... وہ ہیلی کاپٹر اسی طرف آ رہا ہے۔" "ہاں۔ اس میں ضرور حکومت کی امدادی ٹیم ہوگی۔ سڑکیں بند ہو گئی ہیں۔ اس لیے وہ لوگ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہماری مدد کو آ رہے ہیں۔" تمام افراد فوراً ہی اسکول کے پلے گراؤنڈ میں جمع ہو گئے۔ ہاتھ ہلا ہلا کر آسمان پر اڑنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ چلا چلا کر انہیں پکارنے لگے۔ سُندس بھی ہاتھ لہرا رہی تھی۔ مدد مدد پکار رہی تھی۔ آسمان کی طرف منہ کر کے ہمیشہ اپنے خدا سے صدا مانگی جاتی ہے۔ مگر ان لمحات میں وہ تمام مصیبت زدہ ان انجانے ناخداؤں کو پکار رہے تھے۔ اُس ہیلی کاپٹر کے ذریعہ شمالی علاقہ جات کی صورت حال کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ ایک عورت نے پریشان ہو کر روتے ہوئے کہا۔ "یہ اوپر ہی اوپر منڈلا رہا ہے۔ نیچے کیوں نہیں اترتا؟" اس کے شوہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اترے گا۔ کیوں نہیں اترے گا...... ذرا صبر تو کرو۔" وہ بلکتے ہوئے بولی۔ "میرے بچے زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں۔ صبر کیسے کروں؟" ہیلی کاپٹر پورے علاقے کا چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ ذرا دور جاتا تھا تو بچوں کے والدین اچھل اچھل کر چیخ چیخ کر اسے واپس بلانے لگتے تھے۔ سُندس کے بازو دکھ رہے تھے۔ ماؤں نے اپنے دلوں کو تھام کر روتے ہوئے کہا۔ "ہائے اللہ......! وہ...... وہ لوگ تو واپس جا رہے ہیں؟" اسکول کے احاطے میں چیخ و پکار مچ گئی تھی۔ وہ ہیلی کاپٹر ان متاثرین سے اور ان کی پکار سے بہت دور جا چکا تھا۔ ایک عورت اپنے شوہر کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "خدا کے لیے کچھ کرو۔ انہیں واپس بلاؤ۔ نہیں تو میرا بچہ......" وہ بلک بلک کر روتی ہوئی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس ہیلی کاپٹر نے ایک ذرا سی امید پیدا کی تھی۔ لیکن اس کے جاتے ہی گہری مایوسی چھانے لگی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اوپر سے آنے والے نیچے کیوں نہیں اُترے؟ ایک عورت نے سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "ہائے...... اب میری بچی کو کون بچائے گا؟ یا اللہ! ہم سے ایسا کیا گناہ ہو گیا ہے۔ جو یہ عذاب نازل ہو رہا ہے؟" ایک بزرگ نے مشورہ دیا۔ "توبہ استغفار پڑھتے رہو۔ وہ بڑا کارساز ہے۔ ضرور کوئی نہ کوئی وسیلہ پیدا کرے گا۔" وہ ملبے کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ بڑے دکھ سے سوچ رہی تھی۔ "کاش...... آج شیرو اسکول کی چھٹی کر لیتا تو اس وقت ہمارے ساتھ ہوتا۔ پتا نہیں اس ملبے کو ہٹانے کے لیے کون لوگ آئیں گے؟ کب آئیں گے؟ اور اگر کوئی نہ آیا تو......؟" وہ ایک دم سے تڑپ کر سوچنے لگی۔ "ملبے کے نیچے بہت گھٹن ہوتی ہے۔ یہ بچے کب تک ایسے تڑپتے رہیں گے؟ ہم کب تک امدادی کارروائی کا انتظار کرتے رہیں گے؟ وقت یونہی گزرتا رہا تو ان معصوموں کا کیا بنے گا......؟" وہ بے بسی سے اپنا سر پیٹنے لگی۔ خدا سے کسی غیبی امداد کی دعائیں مانگنے لگی۔ اس ملبے کے نیچے سینکڑوں بچے ہلاک ہو چکے تھے۔ مگر وہاں موجود سب ہی والدین اپنے دلوں کو تسلیاں دے رہے تھے۔ اپنے جگر گوشوں کو زندہ بچ جانے والے بچوں میں شمار کر رہے تھے۔ اس کا دل بھی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ شیرو زندہ ہے۔ وہاں ابھرنے والی دبی دبی سی کراہوں میں کوئی ایک آہ اس کی بھی ہے۔ تمام والدین کی نظریں آسمان پر جمی ہوئی تھیں۔ بڑی بے چینی سے کسی مسیحا کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ بروقت ملنے والی امداد سے ہزاروں قیمتی جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔ مگر ایسا تو ہمیشہ سے انسانی زندگی میں ہوتا آیا ہے ضرورت کے وقت کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی

☆☆☆

اس کی ماں حاجی صاحب کے ملبے میں اس بری طرح پھنسی ہوئی تھی کہ صرف چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ باقی پورا جسم بھاری پتھروں اور ستونوں کے نیچے کچھ اس طرح تھا کہ وہ کچلی نہیں گئی تھی۔ مگر حالات اسے کسی وقت بھی کچل سکتے تھے۔ وہ وہاں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ اسے کھینچ کر نکالا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی کراہیں بیٹے کے دل کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ "کچھ کرو مجھے کسی طرح یہاں سے نکالو۔ میں نے تمہیں کوکھ کے اندھیرے سے نکال کر زندگی دی تھی۔ میرا یہ قرض چکا دو۔ مجھے ایک بار زندگی دے دو۔" رانو ماں سے لگی بیٹھی تھی۔ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ کبھی اس سے لپٹ جاتی تھی تو کبھی بھائی کا دامن تھام کر کہتی تھی۔ "بھائی جان...... امی کو باہر نکالیں۔" ایک طرف چھوٹی بہن کی التجائیں تھیں' دوسری طرف ماں کی آہیں اور کراہیں اسے تڑپا رہی تھیں۔ مگر وہ بے بس تھا۔

﴿باقی آئندہ شمارے میں﴾

# لازوال (قسط نمبر۱)

تحریر: محمد شعیب

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے :کل نفس ذائقۃ الموت ( ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے )انسان چاہے کامیابیوں کی بلندی کو چھولے۔ شہرت کے آسمانوں کو فتح کر لے ،حسن کی دنیا میں راج کرے ، ساری دنیا میں اپنا نام پیدا کرلے مگر موت وہ واحد شے ہے جوان سب کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ موت نہ تو دولت سے ٹلتی ہے اور نہ ہی حسن پر ترس کھاتی ہے۔ اس کے آنے سے ہر شے زوال کا شکار ہو کر رہتی ہے۔'' ہمیشہ کی طرح اس نے آج بھی قرآن پاک کی اسی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی تھی مگر کوئی نصیحت اس پر اپنا تاثر چھوڑ جائے ایسا تو شائد خوابوں میں بھی ممکن نہیں تھا'' جس قرآن پاک کا تم حوالہ دے رہی ہو اسی میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے :لا اکرہ فی الدین ( دین میں کوئی جبر نہیں ) کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ فلاں کام کرے یا فلاں سے اجتناب کرے۔ ہر ایک کو اختیار ہے ، ہر شخص آزاد ہے ، ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ آئی بات سمجھ میں۔۔'' وہ پچھلے دس منٹ سے آئینے کے سامنے کھڑا اپنا ہیئر سٹائل بنانے میں مصروف تھا۔ کبھی ایک سٹائل بناتا تو کبھی دوسرا۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کی ہر دلیل کو رد بھی کرتا جا رہا تھا'' ٹھیک کہا تم نے کوئی کسی پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا مگر اگر ایک انسان کسی دوسرے کا دل دکھائے تو کیا اس کو اپنی غلطی کا احساس دلانا بھی ضروری نہیں ہے کیا؟؟'' وہ پہلے بیڈ پر بیٹھی اس کو ہیئر سٹائل بناتا دیکھ رہی تھی مگر اب اٹھ کر اس کے پاس آگئی اور اس کے شانوں کو چھونا چاہا'' میں نے کسی کا دل نہیں دکھایا ۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس کے شانوں پر اپنا ہاتھ رکھ پاتی وہ پلٹا تھا۔ اپنی گھنی بھنوؤں کو اچکاتا ہوا ، اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے وہ اس کی طرف گھور رہا تھا، گلابی ہونٹوں کی اوٹ سے اس کے چمکتے ہوئے موتی جیسے دانت واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ دیکھنے میں دراز قد کا مالک تھا'' میں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں کسی ایسی لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا تو جو حسن میں کسی بھی طرح مجھ سے کم ہو۔۔'' اس کا کہنا بجا تھا۔ جب انسان خود حسین ہو تو بھلا کسی ایسی شے کو وہ کیسے پسند کرسکتا ہے جو حسن میں کسی بھی زاویے سے کم تر ہو۔ انسان ہمیشہ اپنے سے بہتر کی خواہش کرتا ہے۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بیزاریت واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔'' تو تمہیں اپنی غلطی کا ذرا بھی احساس نہیں۔۔'' اپنے نچلے ہونٹ کو اوپری ہونٹ سے بھینچتے ہوئے اس نے عجلت سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا'' جس طرح کی بات تم نے حجاب سے کی تھی ناں وہ کسی بھی عقلمند آدمی کو زیب نہیں دیتی۔'' اس کی آواز میں سختی آگئی تھی۔'' ڈانٹ ڈپٹ کے علاوہ تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟؟ جب دیکھو میرے بیٹے کو ڈانٹتی رہو گی۔'' یہ رضیہ بیگم کی آواز تھی۔ جو جوس کا گلاس ہاتھ میں لئے کمرے کی چوکھٹ پر تھیں۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہوں نے بنا کچھ جانے انمول کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔'' امی! میں صرف اسے سمجھا رہی ہوں۔۔'' اس کے لہجے میں قدرے نرمی آگئی تھی'' تمہارا اور کام ہی کیا ہے؟ جب دیکھو نصیحتوں کا انبار لے کر بیٹھ جاؤ گی اور اس کا نشانہ میرا معصوم سا بیٹا بن جاتا ہے۔۔ ہنہ۔'' گردن جھٹکاتے ہوئے وہ اس کے پاس سے گزری تھیں اور اپنا ممتا والا ہاتھ انمول کے چہرے پر پھیرا اور جوس کا گلاس اسے پکڑایا'' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں امی۔۔'' جوس کا ایک لمبا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا'' جب دیکھو اپنے بڑے ہونے کا رعب ڈالتی رہے گی۔ چھوٹے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس کی ہر بات مان لوں۔۔'' وہ جوس کے لمبے لمبے گھونٹ بھر رہا تھا'' کم سے کم جوس تو بیٹھ کر پی لو۔ کوئی تم سے چھین نہیں رہا۔'' ایک بار پھر نصیحت کی تھی'' امی ۔۔۔'' اس نے ماتھے پر شکن لاتے ہوئے رضیہ بیگم کو کہا تھا'' وجیہہ ۔۔۔'' رضیہ بیگم نے گھور کر اس کی طرف دیکھا تھا'' امی۔۔ آپ کے اور ابو کے زیادہ لاڈ پیار نے ہی اسے بگاڑا ہے، اس کو تو اتنی بھی تمیز نہیں رہی کہ کب، کس سے، کیسے اور کس طرح بات کرنی چاہیے۔'' وہ بے بسی کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی'' بس کرو ۔۔۔ بڑی بی ۔۔۔ بخش دو مجھے ، غلطی ہوگئی جو تمہارے سامنے میں نے اپنی زبان کھول لی۔ معاف کر دو مجھے ۔'' جوس کا گلاس ڈریسنگ پر رکھنے کے بعد اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے طنز کیا، اور اسے سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی وہاں سے چلا گیا'' امی دیکھ لیں آپ اس کی حرکتیں ۔۔۔!!'' جاتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رضیہ بیگم سے گویا ہوئی'' ٹھیک تو کہہ کر گیا ہے وہ۔۔ بخش دو اس کی جان۔ جب دیکھو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔۔۔ کبھی چھوڑ بھی دیا کرو۔'' تکیے کے کور اتارتے ہوئے وہ مسلسل وجیہہ کو سناتی جا رہی تھیں'' میں صرف اس کے بھلے کے لئے کہتی ہوں ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔'' ان کے ہاتھوں سے اتارے ہوئے کور لے کر صوفے پر رکھے اور بیڈ شیٹ کو جھاڑنے کے لئے اٹھایا۔ رضیہ بیگم نے اس کی باتوں کو سنا ان سنا کر دیا'' ویسے نوبت یہاں تک نہ آتی اگر آپ اس کی تربیت اچھے طریقے سے کرتے تو ۔۔'' بیڈ شیٹ کو جھاڑا ، اور پھر ایک جھٹکے سے پورے بیڈ پر پھیلا دیا۔'' اور تمہیں جو تمہاری دادی کے حوالے کر کے جو غلطی کی تھی ہم نے ۔۔۔ اس کی سزا ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔'' تلخ لہجے میں اسے سنایا'' امی ۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ ان سب باتوں میں کم سے کم دادی کو تو نہ لائیں۔۔۔ یہ مت بھولیں آپ کہ آج جتنا بھی میرے پاس دین کا علم ہے، ان ہی کی بدولت ہے۔ آج ان کی بدولت ہی میں اچھے برے، غلط میں فرق محسوس کر سکتی ہوں اگر

دادی مجھے یہ سب کچھ نہ سکھلاتیں تو شائد میں بھی آج انمول کی طرح ہی ہوتی۔ دین سے دور۔'' '' تمہارا کیا مطلب ہے ہم نے انمول کو کچھ نہیں سکھایا؟'' انہوں نے کام چھوڑ کر اس کی طرف شکیہ نظروں سے دیکھا'' نہیں۔۔۔ امی میرا وہ مطلب نہیں ہے۔۔'' اس نے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی'' نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ بس رہنے دو، میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ تم نہیں بول رہی بلکہ تمہارے اندر موجود تمہاری دادی کی روح بول رہی ہے۔ خود تو چلی گئی مگر اپنی ایک کاپی ہمارے پاس چھوڑ گئی۔۔ ہنہ۔'' گردن جھٹکا کر وہ باہر چلی گئیں اور وجیہہ ایک بار پھر صرف افسوس کرتی رہ گئی۔ اس نے مایوس چہرے کے ساتھ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو واقعی اسے اپنے عکس میں دادی کا چہرہ نظر آیا تھا مگر اسے کوئی ملال نہیں تھا وہ تو اس بات پر خوش تھی۔

☆☆☆☆☆

شادی کے پانچ سال بعد ان کے گھر میں ایک بیٹی نے جنم لیا تھا اور یہ بات سب کے لئے خوشی کی تھی کیونکہ آج برسوں بعد ان کے گھر میں کسی بیٹی نے آنکھ کھولی تھی۔ پورا خاندان مبارک باد دینے علی عظمت کے گھر امڈ آیا اور علی عظمت کی ماں۔۔ ان کے لئے تو سب سے زیادہ خوشی کی بات تھی۔ ان کی ہمیشہ سے چاہ تھی کہ ان کی کوئی بیٹی ہو مگر خدا نے قسمت میں صرف بیٹے لکھے ہوئے تھے اور پھر ہر بیٹے کے گھر بھی صرف بیٹوں نے ہی جنم لیا۔ اور اب جب پانچ پوتوں کے بعد پوتی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہے بغیر نہ رکے۔ وہ اپنی ہر چاہ اپنی پوتی سے پورا کرنا چاہتی تھیں۔ اس کا نام وجیہہ عظمت بھی انہیں نے خود تجویز کیا تھا۔ پہلے دن سے ہی اس کے بارے میں سپنے دیکھنا شروع کر دیئے۔ اس کے نازک سے بدن کو ہاتھوں میں لیتیں۔ اس سے باتیں کرتیں۔ اپنے پاس سلاتیں۔ ان کی بس آخری خواہش یہی تھی کہ وہ اپنا ہر پل وقت وجیہہ کے ساتھ گزاریں۔ وہ کسی بھی قیمت پر وجیہہ سے دوری برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ جس دل میں بیٹی کی خواہش ہو، بیٹی کی عظمت ہو ، اس کے دل میں ایسے جذبات کا ابھرنا کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن ان کی اس خواہش کو شائد ابھی ایک امتحان سے گزرنا تھا۔ دل میں موجود ہر خواہش کو سچ ہونے کا موقع ملے ایسا بہت کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ جس کی وجہ سے انہیں اُس کے پاس جانا پڑا لیکن وہاں جانے کے بعد بھی وہ وجیہہ کو نہ بھول پائیں۔ اس کا معصوم سا چہرہ ہمیشہ ان کی کمزور آنکھوں کے سامنے رہتا۔ دل ہر وقت اس کے لئے بے قرار رہتا۔ آنکھیں اس کو دیکھنے کے لئے ترستی رہتیں۔ کانوں کی پیاس تو دن میں فون پر بات کرنے سے بجھ جاتی مگر باقی کسی عضو کو قرار نہ آتا۔ ان کی اس بے قراری کو چھوڑ کر علی عظمت نے کئی بار رضیہ بیگم سے کہا کہ وہ وجیہہ کو کچھ عرصہ کے لئے اس کی دادی کے پاس چھوڑ آتے ہیں مگر ماں تو آخر ماں ہوتی ہے۔ اور پہلی اولاد تو ویسے ہی آنکھوں کا تارا ہوتی ہے بھلا وہ کیسے ہامی بھر سکتی تھیں۔ لیکن علی عظمت اصرار کرتے رہتے تو پھر ایک جواب ان کو خاموش کروا دیتا'' تمہاری صرف ایک بیٹی ہے، تم سے وہی سنبھالی نہیں جاتی۔۔ کیسے باپ ہو تم؟ وہ تمہاری ماں ہے تو کیا ہوا؟ میں بھی تو اس کی ماں ہوں میرے بھی تو ارمان ہیں۔ ساری خواہشیں اور سارے ارمان کیا صرف تمہاری ماں کے ہی ہیں؟ اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور؟ ان کی اس بیٹی کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں اپنی بیٹی کی قربانی کیوں دوں؟ اپنی اکلوتی بیٹی کو ان کے حوالے کیوں کروں؟ بیٹی کا اگر زیادہ ہی شوق چڑھا ہوا ہے تو دوسری پوتیاں بھی تو ہیں ، ندیم بھائی کے ہاں تو پچھلے ماہ ہی بیٹی ہوئی ہے۔ جا کر ان سے کیوں نہیں مانگ لیتی، ان کی بیٹی؟ ان سے کیوں نہیں اپنی چاہ پوری کر لیتیں؟ مگر نہیں انہیں تو صرف میری بیٹی ہی چاہئے۔ وجیہہ ہی چاہئے لیکن نہیں۔۔۔ کان کھول کر سن لیں آپ۔۔ میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوسکتا۔ میری صرف ایک بیٹی ہے۔ چار پانچ بچے نہیں ہیں اگر ہوتے تو کچھ سوچتی۔'' یہ تمام باتیں ان کر وہ خاموش ہو جاتا اور دل ہی دل میں رضیہ بیگم کی باتوں کی حمایت کرتا کیونکہ وہ بھی وجیہہ کو اپنی نظروں سے دور نہیں رکھ سکتا تھا لیکن ماں کو صاف انکار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ہمیشہ درمیان کی راہ اختیار کرنے کی سوچتا۔ ہر ہفتے کچھ وقت کے لئے وہ کچھ دیر کے لئے وجیہہ کو اس کی دادی کے پاس لے جاتا اور وہ کچھ دیر میں ہی اپنے پورے ہفتے کے ارمان پورے کر لیتیں۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ دن بدلتے گئے۔ اور پھر وہ وقت آیا جب انمول نے آنکھیں کھولی۔ انمول کے جنم لینے کے بعد رضیہ بیگم کی تمام تر توجہ وجیہہ کی طرف سے ہٹ گئی۔ ان کا لاڈ پیار صرف انمول تک محدود ہوگیا۔ وہ اپنی ممتا پر صرف انمول کا حق سمجھنے لگیں۔ تین سالہ وجیہہ اس بات کو محسوس کر سکتی تھی۔ اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنی دادی کو سب کچھ بتا دیتی'' دادی ۔۔ آپ کو معلوم ہے کہ امی اب مجھ سے تھوڑا سا بھی پیار نہیں کرتی۔ بھائی کو ہی پیار کرتی ہیں۔ میں جب کہتی ہوں مجھے آپ کے پاس سونا ہے تو کہتی ہیں جا کر دوسرے کمرے میں سو جاؤ۔۔ اب تم بڑی ہوگئی ہو۔ دادی کیا میں واقعی بڑی ہوگئی ہوں۔ اب امی مجھے پہلے کی طرح پیار نہیں کریں گی؟'' پچھلے تین سالوں میں وہ جتنی مانوس اپنی دادی سے ہوگئی تھی اتنا تو شائد وہ اپنی سگی ماں سے بھی نہ ہو پائی تھی۔ اس کی وجہ شائد وہ محبت ، شفقت تھی جو بے لوث اور بنا غرض کے تھی۔ یہ سن کر انہیں بہت دکھ ہوا تھا اور انہوں نے وجیہہ کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بار ان کے اس فیصلے پر نہ ہی علی عظمت نے کچھ کہا اور نہ ہی رضیہ بیگم نے مزاحمت کی۔ منظور تھی۔ وجیہہ نے بھی ان کی پرواہ نہ کی اور دادی

جان کے ساتھ چل دی۔ وجیہہ کی دادی ایک نہایت پارسا خاتون تھیں۔ روزہ نماز کی پابندی باقاعدگی سے کرتی تھیں۔ ہر وقت دین کی باتیں ان کے لبوں سے جاری رہتی ، یہی رنگ کچھ ہی عرصہ میں وجیہہ پر بھی چڑھ گیا۔ بچپن سے ہی انہوں نے اسے حجاب کی اہمیت ، اور لڑکیوں کے لباس کے بارے میں بتانا شروع کر دیا'' بیٹی ! لڑکیاں ہمیشہ حجاب میں اچھی لگتی ہیں؟'''' دادی یہ حجاب کیا ہوتا ہے؟'''' بیٹی ! جو کپڑا لڑکی کو نامحرم کی آنکھوں سے چھپا لے اسے حجاب کہتے ہیں۔'''' دادی! یہ نامحرم کون ہوتا ہے؟'''' بیٹی! ایک لڑکی کے لئے ہر وہ شخص نامحرم ہوتا ہے جو اسے گناہ پر ابھارتا ہے'''' دادی یہ گناہ کیا ہوتا ہے؟'''' پیاری بیٹی! گناہ دل کے میل کو کہتے ہیں۔'''' دادی! دل کو کیسے میل لگتا ہے؟'''' میری بیٹی! جب ایک لڑکی کسی بھی نامحرم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے اور پھر اپنی نظریں نہیں جھکاتی تو اس کے دل کو میل لگنا شروع کر ہو جاتا ہے۔'''' دادی! پھر یہ میل دور کیسے ہوتا ہے؟'''' بیٹی! یہ میل صرف اور صرف توبہ و استغفار کے پانی سے دور ہوتا ہے'''' دادی! توبہ کا پانی کہاں سے ملتا ہے؟ میں نے تو نہیں دیکھا آج تک؟'''' بیٹی! توبہ کا پانی آنکھوں سے بہتا ہے۔'''' لیکن دادی آنکھوں سے پانی تو باہر کی طرف بہتا ہے اور دل تو انسان کے جسم میں ہوتا ہے پھر بھلا اس سے میل کیسے دور ہوتا ہے؟'''' بیٹی آنکھوں سے آنسو بہانے سے انسان کا دل نرم پر جاتا ہے اور جب انسان کا دل نرم پر جائے تو وہ اس میل کو آسانی سے دور کر سکتا ہے۔ اپنے رب کے آگے گناہوں کی معافی مانگ کر ، اپنے آپ کو اس کے سامنے عاجز کر کے۔'''' لیکن دادی! ہمیں کیسے پتا چلتا ہے کہ ہمارے دل کا میل دور ہوگیا ہے؟'''' بیٹی! جب انسان کا دل نیکیوں کی طرف خود بخود راغب ہو جائے تو سمجھ جانا چاہئے کہ اس کے دل کا میل ختم ہوتا جا رہا ہے۔'''' دادی۔۔ اب یہ نیکی کیا ہوتی ہے؟'''' بیٹی! ایسا کام جس کا تذکرہ اگر لوگوں میں کیا جائے تو آپ کو شرمندگی محسوس نہ ہو، نیکی کہلاتا ہے۔'''' دادی یعنی نیکی کر کے لوگوں میں تذکرہ کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟'''' نہیں بیٹی! نیکی کا خود تذکرہ کرنا اسے ضائع کر دیتا ہے'''' لیکن دادی ابھی تو آپ نے کہا کہ نیکی کر کے لوگوں میں تذکرہ کرنا چاہئے۔۔'''' نہیں بیٹی! تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھی ۔۔۔ انسان ایک کام چھپکے سے کرتا اور خواہش کرتا ہے کہ اس کے کام کا لوگوں کو پتا نہ چلے پھر اچانک اس کے کام کی خبر لوگوں میں ہو جائے تو پھر اگر وہ اس کام کے ظاہر ہونے پر شرمندگی محسوس کرے تو وہ گناہ ہے اور اگر لوگ اس کی تعریف کریں اس کام کو اچھا کہیں اور وہ خود بھی دلی اطمینان محسوس کرے ، اسے نیکی کہتے ہیں'' دادی کی پرورش کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین سال کے مختصر سے عرصہ میں وجیہہ نے نہ صرف ناظرہ قرآن پاک مکمل کر لیا بلکہ نماز کی بھی پابند ہوگئی۔ لباس اسلام کے مطابق ڈھال لیا۔ ہر وقت دوپٹہ اوڑھنا اس کی عبادت کا حصہ بن گیا۔ تربیت ادھر ہی ختم نہیں ہوئی ، وجیہہ نے ترجمہ تفسیر کے لئے نزدیکی مدرسہ بھی جانا شروع کر دیا ۔صبح شام تلاوت اس کی زندگی کا حصہ بننے لگی۔ ان تمام عرصہ میں وہ اگر چہ اپنی دادی کے پاس رہی مگر اپنے والدین سے ملنے کا شوق اس کے دل میں ہمیشہ رہا۔ وہ بھی دوسرے بچوں کی طرح اپنے والدین کے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار کرتی مگر دادی یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ جب وہ بڑی ہوجائے گی تب ان کے ساتھ رہے گی۔ اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتی تھیں یہ کہ اس کے والدین کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ صرف ہفتے میں ایک آدھ بار فون کر کے خیریت دریافت کر لینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے؟ لیکن وقت نے اس کی سن لی۔ ماں باپ کے ساتھ رہنے کی یہ خواہش اس کی تیرہ سال کی عمر میں پوری ہوگئی کیونکہ اب اس کی دادی وفات پا چکی تھیں۔ یہ وقت ننھی وجیہہ کے لئے کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ علی عظمت اس کو پانے گھر لے آئے لیکن گھر واپس آنے پر اس کو وہ قرار نہ ملا جو وہ اپنی دادی کے ساتھ محسوس کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں نہ ڈھال سکی۔ کہنے کو تو سب مسلمان تھے مگر دیکھنے میں کوئی کہہ نہیں سکتا تھا۔ نماز روزے کا تو دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ کبھی دل چاہا تو جمعہ کی نماز پڑھ لی ورنہ عید کی نماز تو فرض تھی ہی۔ جب وہ اپنی ماں کی طرف دیکھتی تو دنیا کے رنگوں میں ڈوبی ہوئی پاتی۔ اپنے باپ کو دین سے دور معاش کی تلاش میں سرگرداں دیکھتی اور چھوٹے بھائی کے منہ سے تو بڑی باجی یا آپی کا لفظ تو سنا ہی نہیں۔ عمر میں چھوٹا تھا مگر حکم ایسے دیتا تھا جیسے اس گھر کا بڑا ہو۔ امی ابو بھی اس کی ہر جائز ناجائز خواہش کو پورا کرتے جس سے اس کا حوصلہ مزید بڑھ جاتا اور خود کو ایسے منصب پر فائز کرنے کی خواہش کرتا جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ ایک ایسا مقام جہاں اسے عروج حاصل ہوا۔ کوئی اس سے برتر نہ ہو۔ الغرض ان سب باتوں نے اگر چہ اس کو تکلیف ضرور پہنچائی مگر اس کے حوصلے پست نہ ہوئے وہ دین کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔ مگر اس کے والدین اس کو دنیا کی طرف لگانا چاہتے تھے۔ ان کے ہی اصرار پر دادی نے اس کو پانچ جماعتیں پڑھائی تھیں لیکن اب وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ پڑھ لکھ کر ایک وکیل بنے۔ اگر چہ وہ دنیاوی تعلیم سے بے زار تھی۔ اس کے دل میں یہ تعلیم کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر اپنے والدین کی اطاعت کی خاطر اس نے اپنے آپ کو یہ کام کرنے پر آمادہ کیا۔ بچپن میں بھی جب وہ اپنے والدین کے خلاف کچھ بولتی تھی تو اس کی دادی قرآن کی آیتوں کی تلاوت شروع کر دیتی و بالوالدین احسانا ( اور والدین کے ساتھ احسان کر ) لیکن والدین کے ساتھ احسان کرتے ہوئے بھی اس نے اپنے رب کا حکم مانا۔ اپنی دادی کی پرورش کا پاس رکھا

۔'' اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومن عورتوں سے فرما دیجیے کہ ( باہر نکلتے وقت )اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں۔'' یعنی پردے کا حکم جو اس نے سورہ احزاب میں سیکھا تھا۔ وہ جب بھی اپنے گھر سے باہر قدم رکھتی ، اپنے پورے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیتی اور ایک بڑی سی چادر سے اپنے جسم کی حفاظت کرتی۔

☆☆☆☆☆

'' زندگی کا دوسرا نام ہے انمول۔۔'' اس کے دوست ہمیشہ اس کے لئے یہ جملہ استعمال کرتے اور کسی حد تک ان کا یہ کہنا بجا تھا کیونکہ جتنے قریب سے وہ زندگی کو جیتا ہے اتنے قریب سے شائد ہی کوئی دوسرا جیتا ہو۔ بچپن سے والدین کی آنکھوں کا تارا بن کر رہا۔ کبھی کسی نے اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ خواہشیں تو ایسے پوری ہوتیں جیسے یہ دنیا بنی ہی اس کی خواہشوں کی تکمیل کے لئے ہے۔ ہر شے اس کے ایک حکم کا انتظار کرتی رہتی۔ آج تک اس نے لفظ نہیں سنا تک نہیں۔ بس جسے پسند کیا وہ میرا ہے کی رٹ تھی۔ لیکن خواہشوں کو جتنا پورا کیا جائے یہ اتنا ہی زور پکڑتی ہیں ۔ یہی انمول کے ساتھ ہو رہا تھا بچپن کی خواہشیں جیسے ہی جوانی میں داخل ہوئیں تو انا کا مسئلہ بن گئیں۔ لیکن قسمت نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر لڑکپن سے جوانی تک زندگی کے ہر میدان میں اسے کامیابی ہوئی مگر یہ کامیابی صرف دنیاوی حد تک تھی۔ دین سے تو اس کا دور دور تک کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ دوسرے امیر زادوں کی طرح صرف مسلمان کے گھر پیدا ہو جانا ، ایک بار کلمہ پڑھ لینا، گرین پاسپورٹ میں مسلمان کا لیبل لگ جانا۔ بس یہی کافی تھا۔ نماز ، روزہ وغیرہ اس کے نزدیک صرف ان کے لئے ہے جو دنیا کا شوق نہیں رکھتے۔ جن کے جذبات دنیا کے لئے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ وجیہہ عظمت ۔ اس کی بڑی بہن۔ صبح سے شام تک صرف دین کی چادر لپیٹے رہنا۔'' تمہارے اندر ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے۔ دنیا اتنی رنگین ہے ، ہر طرف رونق ہی رونق ہے اور تم ابھی تک پرانی سوچ کی مالک ہو ۔ دنیا بدل چکی ہے۔ تقاضے بدل چکے ہیں حالات بھی کروٹ لے چکے ہیں اور تم ابھی تک انہی باتوں پر قائم ہو۔۔۔ آج کل کی دنیا میں ایسے لوگوں کو احمق کہا جاتا ہے۔ زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تو کم سے کم اپنی صورت ہی اچھی بنا لو۔۔ لوگ خوبصورت ہونے کے لئے ہزاروں چیزیں استعمال کرتے ہیں اور تم ؟؟ تمہارے پاس تو ہر چیز ہے کم سے کم ان کی تو ناشکری نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اسی سانولے رنگ کی وجہ سے تمہاری شادی نہ ہو اور پھر ساری عمر یہیں بیٹھی رہو۔۔'' وہ اپنی تنقید میں ہر رشتہ بھول جاتا لیکن وجیہہ نے کبھی اس کو اسی کے الفاظ میں جواب نہ دیا بلکہ ہر سوال کا جواب اسلام کی روشنی میں دیتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی تنقید بھی کم ہونا شروع ہوگئی کیونکہ وہ جان گیا تھا اس کی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہونے والا البتہ جواباً دو چار نصیحتیں ضرور سننے کو مل جاتی۔ وہ ان نصیحتوں سے تنگ آچکا تھا۔ مگر اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ اپنے آپ کو صحیح اور اسے غلط قرار دے سکے۔ چلو غلط نہ سہی ، کم سے کم اس کی نصیحتوں سے چھٹکارا تو حاصل کر سکے۔ ایک دن وہ پورے ٹھاٹ کے ساتھ تیار ہو کر اپنے دوست کے گھر جا رہا تھا۔ وجیہہ کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے قرآنی آیت کا ترجمہ سن لیا'' دین میں کوئی جبر نہیں۔۔'' بس پھر کیا تھا؟ جب بھی وہ اسے کوئی نصیحت کرنے لگتی ، اسی آیت کا حوالہ دے کر اس کو خاموش کروا دیتا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جس چیز کو وہ بوجھ سمجھ رہا ہے۔ اصل میں وہ بوجھ نہیں بلکہ بوجھ تو وہ ہے جس راستے کی طرف وہ گامزن ہے۔

☆☆☆☆

'' زوال ان لوگوں کا مقدر بنتا ہے جو زندگی میں آگے بڑھنا نہیں چاہتے کیونکہ ایسے لوگ اپنا ہر فیصلہ قسمت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوتا ہے ، اس کا ذمہ دار وہ قسمت کو ٹھہراتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اپنے فیصلے خود کرتے ہیں ۔ حالات کو اپنے مطابق ڈھالنا جانتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آتے ہوئے طوفانوں کا رخ تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان طوفانوں کے بیچ سے فتح و کامرانی کے دروازے تلاش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی اپنی زندگی میں پیچھے نہیں رہتے۔ ان لوگوں کو کبھی مات نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نظریں آنے والے وقت پر ہوتی ہیں۔ وہ کبھی پیچھے نہیں دیکھتے کیونکہ پیچھے دیکھنا زوال ہے اور آگے بڑھنا عروج۔ اگر انسان پیچھے کی طرف دیکھے تو احساس کم تری اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ، ندامت شرمندگی اور مجبوری اس کے پاؤں کی زنجیریں بن جاتی ہیں اور پھر یہی زنجیریں اسکے مستقبل کی راہوں میں سیسہ پلائی دیوار بن جاتی ہیں اور اگر ایک بار انسان زنجیروں میں جکڑا جائے تو ان کو توڑنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک عقلمند وہی ہے جو ان زنجیروں کو اپنے پاؤں میں باندھنے کی بجائے ، دوسروں کے پاؤں میں باندھ دے۔ کیونکہ حالات اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آج انسان صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ اپنے فائدے کے لئے دوسروں کو قربان کر دیتا ہے۔ بس اسی لئے اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھے ، کامیابی اس کے قدم چومے تو اسے صرف اپنے مقصد پر دھیان دینا چاہئے اور اس مقصد کی راہ میں جو بھی رکاوٹ حائل ہو، اس کو ختم کر دے۔ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ اگر انسان رشتوں کی زنجیروں سے باہر نکل آئے تو وہ کافی آگے جا سکتا ہے مگر یہ جو رشتے ہوتے ہیں ، یہ انسان کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں کبھی ماں بن کر، کبھی بہن کی صورت میں تو کبھی بیوی بچوں کے روپ میں۔۔ رشتوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا آدمی کبھی کھل کر سانس بھی نہیں لے سکتا۔ قدم قدم پر یہ

رشتے اس کو کسی نہ کسی چیز سے محروم کر ہی دیا کرتے ہیں اور پھر وہ وقت آتا ہے کہ جب اس کے اپنے ، جن کی خاطر اس نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا ، وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اس وقت اس کی مثال دھوبی کے اس کتے کی سی ہوتی ہے جو نہ گھر کا رہتا ہے اور نہ ہی گھاٹ کا۔۔ اسی لئے میں کہتا ہوں زندگی جیو۔۔ آگے بڑھو۔۔ اور جو راستے میں آئے اس کو چور چور کر دو۔ تا کہ لوگ اس چیز سے عبرت حاصل کریں اور آئندہ آپ کے راستے میں آنے کی کوشش بھی نہ کریں ۔ خواب دیکھنا ہے تو اس کی تعبیر بھی حاصل کرنا سیکھو ورنہ خواب نامی لفظ کو ہی اپنی زندگی سے مٹا دو۔ کچھ پانا ہے تو اسے حاصل کرنے کے لئے اگر دنیا کو ادھر سے ادھر کرنا پڑے تو بھی گریز نہیں کرنا ، فوراً اسے پہلے پہلے کر و یا پھر اس چیز کو ہی بھول جاؤ۔ آگے بڑھنا ہے تو آنکھیں کھول کر آگے بڑھو۔ کوئی آپ کا کتنا ہی عزیز ہو۔۔ کبھی اس پر اندھا اعتماد نہ کرو کیونکہ یہی عزیز وقت آنے پر ایسی ٹھوکر مارتے ہیں کہ انسان سنبھلنے کے بھی قابل نہیں رہتا اور سب کچھ لاحاصل ہو جاتا ہے۔ اب فیصلہ آپ کا ہے ۔ تقدیر آپ کی ہے۔ زندگی آپ کی ہے۔ آپ کو کیا چاہئے؟ زندگی کا روگ یا زندگی کا سکون۔ پل دو پل کی خوشی یا عمر بھر کی؟ رشتوں کا ساتھ یا اپنے مقدر کا؟ حالات کی زنجیریں یا وقت کی چابیاں۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کیونکہ آپ کا ایک فیصلہ آپ کی زندگی کو بدل سکتا ہے۔ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاسکتا ہے۔'' کافی کا خالی کپ ہاتھ میں اس طرح پکڑے ہوئے تھا کہ ہلکی سی جنبش سے نیچے گر جاتا مگر وہ اس سے بے خبر صوفے کی ٹیک کے ساتھ پشت لگائے آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ ٹی وی پر ریکارڈنگ بار بار ری وائن ہو رہی تھی۔ وہ اپنی ہی ریکارڈنگ کو سنتے سنتے سو گیا تھا۔ کمرے کی ہر شے بکھری پڑی تھی۔ دروازے سے شگفتہ بی بی کمرے میں آئیں تو کمرے کی یہ حالت دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ان کے ماتھے پر شکن آگئے'' کتنی بار کہا ہے جس چیز کو جہاں سے اٹھاؤ، وہیں رکھا کرو مگر نواب ذادے تو ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔'' وہ ابھی ابھی تلاوت مکمل کر کے کمرے میں آئی تھی۔ کمرے میں آتے ہی انہوں نے بکھری چیزوں کو سمیٹنا شروع کیا۔'' یہ ٹی وی بھی چل رہا ہے۔۔'' اس کے بائیں ہاتھ کے پاس رکھا ہوا ریموٹ اٹھا یا اور ٹی وی بند کیا۔ وہ ابھی بھی ویسے ہی سویا ہوا تھا۔ انہوں نے بیڈ سے ایک چادر اٹھائی ، اس کو اوڑھائی تو ہاتھ کے مس ہونے پر اس کی فوراً آنکھیں کھل گئی۔'' امی۔۔۔ آپ ۔۔ کب آئیں؟؟'' آنکھوں کو مسلتے ہوئے اس نے لحاف کو پیچھے پھینکا'' اٹھ گئے جناب صاحب۔۔ کبھی بیڈ پر بھی سو جایا کرو۔ یہ دیکھنے لے لئے نہیں ہے۔'' جھک کر لحاف اٹھایا اور تہہ بنا کر وارڈ روب میں رکھا۔'' میں سویا کب تھا؟ بس ویسے ہی ستا رہا تھا۔۔۔'' جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے کنگی کی۔'' ہر وقت لڑکیوں کی طرح آئینے سے نہ چمٹے رہا کرو۔'' وارڈ روب سے ایک ہینگر نکالتے ہوئے گویا ہوئیں'' امی ۔۔۔!!'' اس نے ہلکی سی گردن کو جنبش دی۔ اور ان کے ہاتھوں سے ہینگر لیا'' کتنی بار کہا ہے کہ صبح جلدی اٹھ کر نماز پڑھ لیا کرو مگر نواب ذادے ۔۔۔'''' امی پلیز ۔۔۔ اب آپ صبح صبح اپنی نصیحتیں نہ شروع کر دینا۔۔ میں بڑا ہوگیا ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے لئے کیا صحیح ہے کیا غلط ۔۔'' ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے تلخ لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس کے ماتھے کے شکن اس کے دل کی کیفیت کو ظاہر کر رہے تھے۔'' امی ۔۔ میں نے آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ جگ میں پانی رکھا کریں ۔۔ دیکھیں خالی ہے۔ آپ کو معلوم بھی ہے کہ۔۔'' اس نے نچلے ہونٹ کو اوپرے ہونٹ سے دباتے ہوئے کہا تھا'' اس میں اتنے غصے کی کیا بات ہے؟ ابھی لا کر دیتی ہوں۔۔۔ تم اتنے واش روم میں جا کر فریش تو ہو جاؤ۔۔'' اس کے چہرے کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے گویا ہوئیں'' اب پانی رہنے دیں اس طرح کریں ایک کپ کافی بنا کر لے آئیں۔۔'' یہ کہہ کر وہ واش روم میں چلا گیا

☆☆☆

'' دیکھو علی عظمت ۔۔۔ اپنی بیٹی کو سمجھا لو۔ آج پھر وہ انمول کو نصیحتیں کرنے بیٹھ گئی۔۔'' گھر کے کام سے فارغ ہونے کے بعد رضیہ بیگم کمرے میں آئیں تو علی عظمت کو صوفے پر اخبار پڑھتے ہوئے پایا'' میں نے کتنی بار کہا ہے کہ وہ میرے اکیلے کی بیٹی نہیں ہے۔۔ تمہاری بھی ہے۔ جب وہ اپنی ماں کی نہیں سنتی تو میری کیا سنے گی۔'' اخبار کا ورق پلٹتے ہوئے انہوں نے ایک سرسری نگاہ رضیہ بیگم پر ڈالی تھی۔ جو کمرے میں ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھی ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔'' یہ سب تمہاری ماں کا کیا دھرا ہے۔ خود تو قبر میں پہنچ گئی مگر اپنی روح ہماری بیٹی میں ڈال گئی۔۔'' جھلاتے ہوئے گویا ہوئیں اور پھر اٹھ کر وارڈ روب سے کچھ نکالنے کے لئے اٹھیں'' جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ تم کتنی بار مجھے اپنی غلطی کا احساس دلاؤ گی۔۔ ایک بار کہا ناں کہ ہوگئی غلطی وجیہہ کو ان کے ساتھ بھیج کر ۔۔'' ایک جھٹکے کے ساتھ انہوں نے اخبار کو تہہ لگائی اور قدرے غصے میں ٹیبل پر رکھ دیا'' کم نہ زیادہ پورے دس سال ہماری بیٹی کو اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ پتا نہیں کیا کیا کچھ پانی میں گھول کر پلاتی رہی ہوگی۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں یہ سب کچھ انہوں نے جان بوجھ کر کیا۔۔'' وہ بس اپنی ہی ہانکتی جا رہی تھیں'' بیگم۔۔ بیگم۔۔ جو ہوگیا سو ہوگیا۔ تمہارے یا میرے تذکرہ کرنے سے گزرہ وقت لوٹ تو نہیں سکتا۔۔!! اب آگے کی سوچو۔۔ کہ کیا کرنا ہے ؟'' انہوں نے اپنا غصہ پیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بخوبی جانتے تھے رضیہ بیگم اب کسی بھی قیمت پر

پیچھے نہیں ہٹنے والی۔'' کرنا کیا ہے؟ اس کو سیدھی راہ دیکھاؤ اور بتاؤ کہ جو اس نے لبادہ اوڑھ رکھا ہے، وہ آج کل کی دنیا میں کسی کام کا نہیں۔۔ ایسے لوگوں کو سب بے وقوف کہتے ہیں'''' وجیہہ کسی کام سے ان کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھی مگر رضیہ بیگم کی اونچی آواز نے اس کے قدم اسی جگہ پر جما دیئے۔'' کتنی بار اس کو کہا ہے کہ باہر نکلا کرے۔ گھوما پھرا کرے۔ دوستوں کے ساتھ پارٹی وغیرہ کر لیا کرے مگر نہیں۔۔ وہ تو اُس سے مَس ہونے کو بھی تیار نہیں۔۔ اب تم ہی سمجھاؤ علی عظمت شائد تمہاری بات مان لے۔۔'' رضیہ بیگم وارڈ روب میں جو ڈھونڈ رہی تھی ، اسے چھوڑ کر علی عظمت کے پاس آکر منتوں بھرے لہجے میں کہا تھا'' تم کیا سمجھتی ہو میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔۔؟ کیا میں نہیں سمجھا تا اسے۔۔!!'' انہوں نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالی جو دو پہر کے بارہ بجا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت ڈیکوریشن پیس لٹکا ہوا تھا۔ جو بھی اس دیوار کو دیکھتا ، اس ڈیکوریشن پیس کو دیکھے بغیر نہ رہ سکتا۔ کچھ دیر علی عظمت بھی اسے ہی دیکھتے رہے۔'' ویسے تم اسے ایک کیس ہی دلا دو۔۔ اس کے وکیل بننے کا کچھ تو فائدہ ہو۔ اس بہانے باہر کی دنیا بھی دیکھ لے گی۔ شائد اسی بہانے سے کچھ بدل جائے اور جو لبادہ اوڑھا ہوا ہے، اتر جائے۔۔'' انہوں نے خود ہی گمان کر لیا'' کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ کوشش کر کے دیکھتا ہوں ، آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔۔'' انہوں نے رضیہ بیگم کی بات سے اتفاق کیا'' اور جب تک وہ باہر کی دنیا میں نہیں رنگے گی ، رشتوں کے لئے بھی اسی طرح ناں ہوتی رہے گی۔۔'' وہ اب جانے ہی لگی تھی جب ان الفاظ نے اس کے سر پر ایک بم پھوڑ دیا۔ اس کے اپنے ہی ماں باپ اس کو بوجھ سمجھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر کسی قدر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ وہ اب مزید نہیں سن سکتی تھی۔ ڈھیلے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ کانوں میں ابھی بھی اس کے رضیہ بیگم کی آواز گونج رہی تھی۔ جب اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اس کا ذہن سوجھ بوجھ کی صلاحیت کھو چکا تھا۔ یوں تو وہ جب بھی اپنے کمرے میں داخل ہوتی تو ایک ذہنی سکون پاتی تھی مگر آج نا جانے کیا تھا، وہ سکون اس سے خفا تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ اس کی نظر اپنے بیڈ کے اوپر لگی سینٹری پر گئی۔ چہرے پر موجود مایوسی کے بادل قدرے چھٹنے لگے۔ سینٹری میں سونے کے پانی سے سورہ اخلاص لکھی ہوئی تھا۔ ساتھ ہی کعبہ کا نقش بھی تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اس کو چھونا چاہتی تھی مگر اس وقت وہ بے وضو تھی لہٰذا اپنے خیال کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا ۔ بس آنکھوں کے ذریعے ہی پوری سورہ اخلاص پڑھ لی۔ اس کے دل کو قدرے سکون ملا مگر وہ مکمل طور سکون چاہتی تھی۔'' جس درخت پر پھل لگتے ہیں ،لوگ انہی درختوں کو پتھر مارتے ہیں بالکل اسی طرح جو انسان دین کے راستے پر چلتا ہے تو مشکلات و مصائب اس کا سائے کی طرح پیچھا کرتے ہیں۔ لوگ ایسے لوگوں کو قدم قدم پر پچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو کوستے ہیں ، مگر جن کے دل مضبوط ہوتے ہیں ، ان کے قدم نہیں ڈگمگاتے۔'' ایک سرگوشی اس کے کانوں میں ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے تکیہ کے نیچے سے اپنی دادی کی تصویر نکالی۔ اور پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔'' دادی آپ بالکل ٹھیک کہتی تھیں مگر شائد آپ ایک بات مجھ سے کہنا بھول گئیں کہ سب سے پہلے گھر کے لوگ ہی آپ کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔'' وہ تصویر سے دھول کو اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہی تھی'' جب تک وہ باہر کی دنیا میں نہیں رنگے گی ، رشتوں کے لئے بھی اسی طرح ناں ہوتی رہے گی۔۔'' ایک جھٹکے سے وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی اور خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ سرتا پا اپنے آپ کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ رنگ قدرے سانولا تھا لیکن تھوڑا سا میک کرنے سے نکھر سکتا تھا۔ بھنویں بھی گھنی تھیں جن کو باریک کر کے چہرے کو چار چاند لگایا جا سکتا تھا۔ آنکھیں تو پہلے ہی حیا کے پانی سے دھلی ہوئی تھی۔ کوئی غبار اس کی آنکھوں میں تھا۔ لب بھی گلاب کی پنکھڑی کی طرح نازک ، جو ہاتھ لگانے سے ہی مرجھا جائیں۔'' ابھی تو دو لوگوں نے مجھے رجیکٹ کیا ہے لیکن مجھے کوئی پچھتاوا نہیں۔ اگر کسی کو میرا روپ نہیں پسند تو اس میں میرا کیا قصور؟ اگر کوئی اپنے بیٹے کے لئے ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہے جو اپنا حسن لوگوں پر وا کرے تو مجھے بھی ایسے گھر میں جانے کی کوئی تمنا نہیں۔ لڑکی کا حسن تو صرف اپنے شوہر کے لئے ہوتا ہے ، دنیا والوں کے لئے نہیں۔۔'' وہ خود سے کہہ ہی تھی مگر آنکھیں پر نم تھیں۔ آج پہلی بار وہ اپنے لئے آنسو بہا رہی تھی۔'' ہم ایسی لڑکی کو اپنے گھر کی بہو نہیں بنا سکتے جو باہر کی دنیا سے بالکل انجان ہے۔'' ایک سرگوشی ہوئی تھی مگر اس نے کسی بھی قسم کا تاثر نہیں دیا'' ہمارا بیٹا ایک ماڈل ہے اور ہم ایک ایسی لڑکی کو اس کے سر نہیں باندھ سکتے جس کو فیشن کی الف ، ب بھی نہیں معلوم ۔۔۔'' دوبارہ سرگوشی ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو سوچنے پر مجبور کیا

☆☆☆☆☆

شگفتہ بی بی کچن میں آکر کافی بنانے میں مصروف ہوگئیں۔ ساتھ ساتھ انہوں نے چولہا آن کیا کیا اور اس کے لئے ناشتے کا بھی بندوبست کرنے لگیں۔ بار بار ان کی نظریں ضرغام کے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھیں جہاں سے موبائل کے رنگ ہونے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ انہوں نے پہلے تو اگنور کیا مگر رنگ مسلسل ہو رہی تھی تو وہ کام چھوڑ کر اس کے بیڈ روم میں گئیں۔ اور ادھر ادھر دیکھا'' ضرغام ۔۔ ضرغام بیٹا ۔۔!!'' وہ کمرے میں نہیں تھا، اچانک ان کی نظر واش روم

کے دروازے پر پڑی'' ابھی تک نہیں آیا۔۔ کب سے رنگ ہو رہی ہے۔۔'' انہوں نے موبائل کو سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا جو ابھی تک رنگ کر رہا تھا۔'' ڈول؟؟؟ یہ کیسا نام ہے؟'' حیرت سے کندھے اچکاتے ہوئے انہوں نے فون ریسیو کیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سلام سے گفتگو کا آغاز کرتیں دوسری طرف سے آواز آئی'' ہیلو بے بی! دو گھنٹے سے تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر تم ۔۔ تم تو لگتا ہے آج پھر بھول گئے ۔ میں تمہارے اس بھولنے کی عادت سے بہت تنگ ہوں۔ اب اگر دو گھنٹے کے اندر اندر تم مجھے لینے نہ آئے تو مجھ سے برا کچھ نہیں ہوگا۔ اور ہاں آج اپنی امی سے کچھ ڈھنگ کا بہانا کر کے آنا۔ پچھلی بار کی طرح نہیں۔۔۔ ورنہ آدھی پارٹی میں ہی بچوں کی طرح ضد کرنے لگ جاؤ گے۔ اس بار میں تمہاری ایک نہیں سننے والی۔ او کے بے بی۔۔!! سی ۔ یو ۔ ایٹ ہوم۔۔'' برق رفتاری سے یہ سب کچھ کہہ اس نے فون بند کر دیا۔ شگفتہ بی بی کچھ کہہ نہ سکیں۔ انہوں نے کان سے فون ہٹایا تو ضرغام بھی اپنے بالوں کو ٹاول سے صاف کرتا ہوا واش وم سے باہر آگیا۔ وہ صرف ڈارک بلیو جینز پہنے ہوئے تھا۔ ٹاول کندھوں سے لٹکتے ہوئے سینے کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ پانی کی بوندیں ٹپ ٹپ سنگ مرمر کی طرح چمکتے ہوئے فرش پر گر رہی تھیں۔'' امی کس کا فون تھا۔۔؟'' وارڈ روب کو وا کیا ور ایک ٹی شرٹ ڈھونڈنے لگا'' تمہاری ڈول کا فون تھا۔۔۔تمہیں ملنے کے لئے بلا رہی ہے۔۔'' بے نیازی کے ساتھ فون بیڈ پر پھینکا۔ اور اس کے شانوں نے ٹاول کو تھاما جو ہاتھوں کے محرک ہونے کے باعث کسی بھی لمحے گر سکتا تھا۔ اس نے ایک ریڈ ٹی شرٹ سلیکٹ کی اور پہنتے ہوئے آئینے کے پاس گیا۔ وہاں پر پہلے سے ہی لائیٹ بلیو شرٹ لٹکی ہوئی تھی۔'' اوہ ۔۔۔ آئی ۔۔ سی ۔۔'' ہنستے ہوئے شرٹ پہنی اور بنا بٹن بند کئے فون اٹھا کر ایک میسج ٹائپ کر کے سینڈ کیا۔'' آپ اس کا نام نہیں پوچھیں گی؟ ویسے تو ہر بات پوچھتی ہیں۔۔'' موبائل کو دوبارہ بیڈ پر پھینک کر بٹن بند کرنے لگا'' جلدی سے باہر آجاؤ۔۔ میں نے ناشتہ تیار کر لیا ہے۔۔'' اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھنے لگیں'' امی ۔۔ یہ بٹن بہت سخت ہے ۔۔ بند ہی نہیں ہو رہا۔۔'' وہ گریبان کا دوسرا بٹن بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شگفتہ بی بی پلٹیں اور اس کا بٹن خاموشی کے ساتھ بند کرنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا یا پھر وہ اپنے تاثرات کو چھپا رہی تھیں'' اس کا نام عنایہ ہے۔ رچ فیملی سے بیلونگ کرتی ہے۔ آپ نے کل جو ریکارڈنگ دیکھی تھی ناں۔ وہ بھی اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ کافی اچھی ہے۔ اسی کی وجہ سے مجھے ایک شو کی بھی آفر ہوئی ہے۔ آئی لائک ہر۔۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہتا ہی چلا جا رہا تھا'' اب وقت ضائع کئے بغیر باہر آجانا۔۔'' بے نیازی سے باہر چلی گئیں'' امی بھی ناں ۔۔'' اس نے گردن کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو اس کے چار انچ لمبے بال لہراتے ہوئے سیٹ ہوگئے'' واہ۔۔ ضرغام عباسی! کیا قسمت پائی ہے تو نے۔۔ ہر چیز تیرے تابع ہے اور تو آزاد۔۔'' نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ اس کا یہ سوچنا بھی بجا تھا۔ آخر ہر خواہش کو بنا کہے پورا ہوتے تو پایا تھا۔ ناامیدی اور مایوسی کے الفاظ سے تو انتہا کی نفرت تھی۔ یہ اس کی ضد تھی ، یا ہٹ دھرمی یا پھر قسمت کی مہربانیاں۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ صرف اپنی ہاں منواتا چلا آیا تھا۔ کہتے ہیں ناں جو سوچا جائے کبھی پورا نہیں ہوتا۔ بالکل صحیح کہتے ہیں سوچا کبھی پورا نہیں ہوتا بلکہ ان کو پورا کروانا ہوتا ہے۔ حالات کو اپنے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ والدین نے لاکھ کوششیں کی مگر آخر میں جیت اسی کی ہوئی۔ شبہ اسی کا مقدر بنی۔ انہوں نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح اس کا بیٹا ان کے کہے کو مان لے۔ اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھال لے ، جس میں وہ ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اس طرح بسر کرے جیسا اسلام چاہتا ہے۔ اپنا رہن سہن ، اپنی سوچ سب کچھ اسلام کے راستے کی طرف موڑ لے اور صحیح معنوں میں مسلمان ہو جائے۔ لیکن یہ خواہش صرف خواہش رہی۔ پہلے تو کبھی کبھار ، سال میں ایک آدھی بار نماز پڑھ لیتا تھا ، روزے بھی اکا دکا رکھ لیتا تھا مگر جب سے اس کے باپ کی وفات ہوئی ، تب سے تو جیسے وہ آزاد ہوگیا۔ اپنے آپ کو اس پرندے کی طرح محسوس کرنے لگا جو سالوں بعد پنجرے سے رہا ہوا ہو۔ اس کی عیاشیاں پہلے سے زیادہ ہوگئیں۔ رات کو دیر سے گھر آنا اس کا معمول بن گیا۔ والدین نے جتنا دین کے قریب لانے کی کوشش کی وہ اتنا ہی دنیا کے قریب ہوتا چلا گیا۔ اس کے دل و دماغ میں دنیا نے بسیرا کر لیا۔ دنیاوی سٹیٹس ، دنیاوی عزت و شہرت ، دنیاوی حسن سب اس کا حاصل بن گیا۔ وہ خود کو ایسی منزل پر فائز کرنے کی جستجو میں تھا ، جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ جس کے آگے کوئی رتبہ نہ ہو۔ جس کی آخری حد لامکاں ہو۔ جس کے بعد زوال نہ ہو۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک وہ کسی بھی لمحے اپنے ارادوں سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ تھا۔ اگر اس منزل کو پانے کے لئے اسے آگ کا دریا بھی پار کرنا پڑتا تو شائد وہ اس سے بھی گریز نہ کرتا۔ جن لوگوں کے دلوں میں دنیا رچ بس جائے تو دنیا کو حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نے نہ ہی آگ کا دریا پار کیا اور نہ ہی ٹھنڈے طوفانوں کا۔ شائد اس لئے کہ ایسی کوئی منزل تھی ہی نہیں جو لازوال ہو۔ ہر شے کو زوال ہے۔ مگر تڑپ ہمیشہ بیدار رہتی ہے۔ یہی تڑپ اس میں بھی تھی۔ اس کی یہ حالت شگفتہ بی بی کو ہمیشہ پریشان کئے رکھتی۔ شوہر کا سایہ تو پہلے ہی سر پر نہ تھا۔ اپنے جوان بیٹے پر بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتی

تھی۔ ایسا کرنا اسے باغی کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ دین کے معاملے میں زور زبردستی کر سکتی تھیں۔ صرف ایک کام تھا جو وہ کر سکتی تھی۔ ایک در تھا جہاں سے ان کی دلی مراد پوری ہو سکتی تھی۔ وہ در تھا دعا کا۔ صرف دعا ہی ان کا واحد سہارا تھی۔ ہر نماز کے بعد وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے بیٹے کے لئے دعائیں مانگتیں'' اے خدا! اے میری جان کے مالک! اے زمین و آسمان کے پروردگار! اے کل کائنات کے خالق! اے زندگی بخشنے والے! اے ہدایت دینے والے! میں تیری کمزور بندی تجھے تیرے حبیب کا واسطہ دیتی ہوں ، میرے بیٹے کو ہدایت دے دے۔ وہ نہیں جانتا کس چیز میں اس کی بھلائی پوشیدہ ہے ، اور کس چیز میں شر ۔ کس راستے پر چل کر اسے ابدی کامیابی ملے گی اور کس راستے پر چل کر ابدی ناکامی۔ اے خدایا! وہ جس راہ پر چل نکلا ہے ، وہاں صرف کانٹے ہیں ، ذلالت ہے ، اے میرے رب! میرے بیٹے کو اس راستے کے شر سے بچالے ، اس کو اپنی امان میں لے لے۔ اس کے دل کی آنکھیں کھول دے۔ وہ اس راستے کی ہولنا کیاں نہیں دیکھ سکتا۔ اے اللہ! اس راستے کی ہولنا کیوں سے میرے بیٹے کو بچالے۔ اے خدایا! تُو تو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے ، اپنے اس بندے کو دنیا کے کنویں میں گرنے سے بچالے اس بے بس اور لاچار ماں کی دعا کو سن لے۔ اے ہدایت دینے والے میرے بیٹے کو ہدایت دے دے۔ اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے بیٹے کا دل پلٹ دے۔ تُو تو دعاؤں کو سننے والا ہے۔ اس بے بس و لاچار ماں کی دعا کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا شرف بخش دے۔ قبولیت کا شرف بخش دے۔۔!!'' مگر یہ دعائیں زمین و آسمان میں کہیں اٹک کر رہ گئیں۔ جو اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود قبولیت کی منزلیں ہی طے نہیں کر رہی تھیں یا شائد اس کے دعائیں مانگنے میں ہی کچھ کمی رہ گئی ہوگی جس کی وجہ سے وہ آسمان سے پلٹ کر آرہی تھیں وہ سیٹی بجاتا ہوا ، ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آتے ہی اس نے ٹرے میں رکھے ہوئے سیب کو اٹھایا اور ٹیبل کے کنارے پر بیٹھ کر شگفتہ بی بی کو کچن میں کام کرتا ہوا دیکھنے لگا'' کچھ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیتے ہیں۔۔'' اس کو سیب کھاتا دیکھ کر گویا ہوئیں'' اوہ بھول گیا۔ چلو خیر ہے۔'' بے نیازی سے جواب دیا اور ٹانگ کو چیئر پر رکھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا'' تم کوئی پہلی بار بھولے ہو ہر بار تو تمہیں یاد کروانا پڑتا ہے۔ چلو اب یہ دعا پڑھ لو۔ بسم اللہ اولہ وآخرہ '' ناشتہ لگاتے ہوئے انہوں نے تاکید کی تو اس نے زیر لب پڑھ ہی لی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا اگر وہ نہیں پڑھے گا تو چار پانچ نصیحتیں سننے کو ملے گیں'' اور تم نے یہ شرٹ کے بٹن کیوں کھول لئے۔۔'' وہ سیدھا ہو کر کرسی پر بیٹھا تو ان کی نظریں اس کی شرٹ پر گئیں'' یہ شرٹ بٹن بند کر کے اچھی نہیں لگ رہی تھی ناں۔۔ اور ویسے بھی میں نے سوچا اگر میں نے یہ بٹن بند کر لئے تو ٹی شرٹ پہننے کا فائدہ؟ یہ تو نظر ہی نہ آتی۔۔ بس اس لئے۔۔'' آدھا سیب کھا کر پلیٹ میں رکھ دیا اور جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے اس نے بھویں اچکائیں'' اپنے آپ کو اس زندگی میں مت الجھاؤ۔۔'' سادہ طریقے سے سمجھایا'' اس کو الجھانا نہیں کہتے پیاری امی۔۔۔ اسے وقت کے مطابق چلنا کہتے ہیں۔'' اس نے بات ہوا میں اڑا دی'' وقت کے ساتھ چلنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان اپنے رب کو ہی بھول جائے۔ اسے یاد ہی نہ کرے۔ جیسے حالات آرہے ہیں۔۔'''' امی۔۔ آپ پھر شروع ہوگئیں۔۔'' منہ بگاڑ کر بات کاٹی'' اچھا۔۔ زیادہ منہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صحیح طریقے سے کھانا کھاؤ۔۔'' وہ اس کے چہرے کے تاثر کو اچھی طرح سمجھ چکی تھیں'' مجھے یہی تو آپ کی بات اچھی لگتی ہے کہ آپ مجھے فوراً سمجھ جاتی ہیں۔ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ میرا موڈ کیسا ہے؟ آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔۔'' اس کے چہرے پر بہار امڈ آئی۔ وہ ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ شگفتہ بی بی ناشتہ کرتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھیں۔ ایک بات تھی جو وہ کہنا چاہتی تھیں مگر کہہ نہیں پا رہی تھیں۔'' برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔۔ اس کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے پوچھا تھا'' اب اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔۔ آپ پوچھیں۔۔'' اس کا موڈ بحال ہو چکا تھا'' تمہیں شادی کر لینی چاہئے۔ یہی وقت ہوتا ہے جب انسان کو ایک اچھے ہمسفر کی ضرورت ہوتی ہے۔'' انہوں نے ناشتے کے برتن کو سمیٹتے ہوئے کہا تھا'' شادی ۔۔۔۔'' وہ ہنس پڑا'' مجھے شادی کرنی چاہیے؟'' وہ بات کو مزاح کی طرف لے گیا'' اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ کیا تم نے شادی نہیں کرنی؟'''' میں نے ایسا تو نہیں کہا۔۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔۔'' اس نے مسکراہٹ کے ساتھ شگفتہ بی بی کی طرف دیکھا'' ابھی وقت نہیں آیا؟؟؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ جب عمر گزر جائے گی تب کرو گے شادی؟'''' امی آپ کو اتنی ٹینشن کیوں ہو رہی ہے؟ ابھی میری عمر ہی کیا ہے ؟'''' پچیس سال۔۔'' فوراً سے پہلے جواب دیا'' پچیس سال ہی تو ہے۔ اس عمر میں تو لوگ انجوائے کرتے ہیں اور آپ ابھی سے میرے پاؤں میں زنجیریں باندھنے کا سوچ رہی ہیں۔۔'' اس نے گردن جھٹکائی'' شادی تمہیں زنجیر لگتی ہے؟ اور جس انجوائمنٹ کی تم بات کر رہے ہو اسے بے حیائی کہتے ہیں۔'''' امی پلیز۔۔ میں اس ٹوپک پر مزید بحث نہیں چاہتا۔۔'' بے رخی دیکھاتے ہوئے کھڑا ہوا'' مگر میری بات تو سنو۔۔'' اس سے پہلے وہ کچھ کہہ پاتیں وہ وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ ہاتھ بڑھا کر رہ گئیں۔

《 مزید واقعات اگلی قسط میں ملاحظہ کیجیے 》

# ایک ملاقات پاکستان کی ہردل عزیز رائٹر اینڈ چیف ایڈیٹر داستانِ دل نزہت جبیں ضیاء سے (انٹرویو شعیب فیصل آباد)

سب سے پہلے تو قبل از وقت آپ سے معذرت چاہتا ہوں چونکہ میں پہلی بار کسی کا انٹرویو کر رہا ہوں، اس لئے زیادہ تجربہ نہیں ہے کہ کون سے سوال کرنے چاہئے یا کون سے نہیں لیکن کوشش کروں گا کہ ایسے سوال پوچھوں جو کہ مناسب ہوں لیکن پھر بھی اگر آپ کسی سوال کا جواب نہ دینا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے اور قبل از وقت معافی بھی درکار ہے۔ تو پھر اب چلتے ہیں انٹرویو کی طرف۔

س) السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔

ج) وعلیکم السلام۔ میرا تعلق ادبی فیملی سے ہے۔ میرے بابا اور امی جان کو ادب سے لگاؤ تھا۔ میری دو بڑی بہنیں بھی لکھتی تھیں۔ نگہت غفار اور عفت چوہدری۔ عفت باجی نے مجھے لکھنے کا طریقہ سکھایا اور میری کافی مدد کی۔ اللہ پاک عفت باجی کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ میں بچپن میں بہت شریر اور ذہین تھی۔ بچپن میں گھروں کی بیل بجا کر بھاگنا، لوگوں کی چھت پر جا کر چیزیں الٹ پلٹ کرنا، درختوں پر چڑھنا، بچپن کے خاص شوق تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں ہمیشہ اچھی تھی۔ گھر، دوستوں، ٹیچرز سب کی فیورٹ رہی ہوں

س) آپ نے ادب کی دنیا میں قدم کب رکھا تھا؟ اور شروع شروع میں آپ کو کسی مسئلے سے دوچار تو نہیں ہونا پڑا؟

ج) نہیں۔ کوئی مسئلے کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ ہاں! شادی کے بعد مصروفیت کی وجہ سے لمبا گیپ آگیا۔ اب گھر کی مصروفیت اور ذمہ داریوں کے بعد ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑا مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ میں نے ہمیشہ اپنے گھر، فیملی اور ذمہ داریوں کو اپنے ذاتی شوق پر ترجیح دی ہے۔

س) آپ نے سب سے پہلی کہانی کیا سوچ کر لکھی تھی اور اس کا نام کیا ہے؟

ج) بس اچانک سے ہی لکھ لیا تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں پہلا افسانہ میٹرک کرنے کے بعد "سائباں" کے نام سے لکھا تھا۔ یہ افسانہ لکھتے وقت بابا سے ڈر رہی تھی مگر انہوں نے بہت حوصلہ افزائی کی۔

س) ماشاء اللہ سے آپ نے بہت سے ڈائجسٹ میں لکھا ہے، یہ بتائیں سب سے زیادہ خوشی کس ڈائجسٹ کے ساتھ کام کرنے میں ہوئی اور اس کی وجہ کیا ہے؟

سب ڈائجسٹ نے الحمد اللہ بہت اچھا ریسپانس دیا ہے

نزہت جبیں ضیاء، داستانِ دل کا مطالعہ کرتے ہوئے

س) آپ کو کس ٹائپ کی سٹوریز لکھنا پسند ہیں؟

ج) میں نے زیادہ تر معاشرتی مسائل پر لکھا ہے اور مجھے ایسی ہی کہانیاں لکھنا پسند ہیں جس میں پڑھنے والوں کو کوئی نہ کوئی سبق ضرور ملے۔

س) آجکل تقریباً تمام ناولز، ناولٹ اور یہاں تک کے افسانوں میں بھی اسلامک ٹچ دیا جاتا ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

ج) جی! ایسا ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے ایسا کچھ لکھنا اچھا نہیں لگتا جہاں کوئی تضاد ہو اور کوئی بحث جنم لے۔

س) آپ کو ادب کی دنیا اور اصل کی دنیا میں کیا فرق نظر آتا ہے؟

ج) کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ادیب وہی کچھ دیکھاتے ہیں جو وہ خود دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

س) آپ تو ادب کے ساتھ ساتھ فیس بک سے بھی واسطہ ہیں۔ آپ فیس بک اور ایک رائیٹر کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟

ج) فیس بک ایک رائیٹر کے لئے اچھا پلیٹ فارم ہے۔ اس سے بھی کافی ہیلپ ملتی ہے

س) کیا رائیٹرز کو ایک دوسرے سے کمپیٹ (مقابلہ) کرنا چاہئے؟

ج) نہیں۔ میرے خیال میں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اپنی اپنی جگہ ہر رائیٹر بہتر لکھے بس۔

س) ایک اچھے رائیٹرز کو کن خوبیوں کا مالک ہونا چاہئے

ج) اچھا رائیٹر وہ ہے جو تعریف کے ساتھ تنقید بھی برداشت کر سکے لیکن تنقید بھی اصلاحی ہو۔

س) آپ ینگ رائیٹرز کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟

ج) نئے لکھاری الحمد اللہ بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ مجھے جب کسی کمپٹیشن کو جج کرنا ہوتا ہے تو یقین مانیں دو دو دن اسی میں گزر جاتے ہیں کہ کس کو کتنے نمبر دوں؟

س) چونکہ میں خود ایک رائیٹر ہوں لہذا مجھے کوئی اچھی سی ٹپ تو دیں۔۔۔!!

ج) اچھا لکھو اور وہ لکھو جس سے خود میں تسلی ہو کہ تم نے اپنے رائیٹر ہونے کا حق ادا کر دیا ہے

س) ویسے تو اردو ہماری قومی زبان ہے اور ادب کے سہارے اس زبان کو تقویت بھی بہت مل رہی ہے لیکن اب انگلش ادھر بھی اپنا سکہ منوانے میں مصروف دیکھائی دے رہی ہے۔ آپ کیا کہتی ہیں؟

ج) اردو ہماری اپنی زبان ہے۔ اس کی تو بات ہی الگ ہے مگر انگلش ایک ایسی زبان ہے جو دنیا کے ہر حصہ میں سمجھی جاتی ہے اس لئے یہ بھی آنی ضروری ہے

س) ویسے آپ نے پاکستان کے ساتھ ساتھ انڈیا کے ڈائجسٹ میں بھی لکھا ہے تو کیسا لگا وہاں لکھ کر؟

ج) الحمد اللہ! بہت اچھا لگا لگتا ہے جب اپنے ناولز کو انڈین ڈائجسٹ میں پبلش ہوتی دیکھتی ہوں۔ اب وہاں کے لوگ بھی مجھے پہنچاننے لگے ہیں۔ سب اللہ کا کرم ہے۔

س) سب سے انوکھا سوال۔۔ آپ کب تک لکھنا چاہیں گی؟

ج) جب تک لکھ سکتی ہوں اور لوگوں نے پسند کیا لکھتی رہوں گی انشاء اللہ

س) کیا آپ کا کام آپ کی نجی زندگی میں اثر انداز ہوتا ہے؟

ج) نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ میں نے اپنی ذاتی زندگی اور شوق کو الگ الگ رکھا ہوا ہے۔ جب میں گھر کے کاموں سے فارغ ہوتی ہوں اور جو ٹائم صرف میرا اپنا ہوتا ہے اُس میں لکھتی ہوں۔

س) لکھنے کے علاوہ آپ کا کیا مشغلہ ہے؟

ج) لکھنے کے علاوہ، کوکنگ، آرٹ اینڈ کرافٹ کے کام، سلائی یہ کرتی ہوں ساتھ ساتھ۔ اس کے علاوہ فیس بک بھی مشاغل میں شامل ہیں۔ آرٹ اینڈ کرافٹ میں گلاس ورک، فامک ورک، جیولری ورک اور سکیچنگ شامل ہیں

چیف ایڈیٹر مطالعہ کرتے ہوئے خوشگوار موڈ میں

س) ٹی وی دیکھتی ہیں؟ کیا دیکھنا پسند کرتی ہیں ڈرامہ یا پھر ٹاک شوز؟

ج) بہت کم ٹی وی دیکھتی ہوں۔ کوئی چوائس نہیں ہے

س) کوئی ایسا ڈرامہ جو آپ سمجھتی ہیں وہ ہمیشہ آپ کو یاد رہے گا؟

ج) فاطمہ ثریا کا ڈرامہ دیکھتی تھی کیونکہ اُس میں جو ماحول تھا میں اسی ماحول سے بی لونگ کرتی ہوں۔

س) گھر کے کام زیادہ تھکا دینے والے ہوتے ہیں یا لکھنا؟

ج) مجھے الحمد اللہ تھکان نہیں ہوتی (ماشاء اللہ) نہ ہی کام سے اور نہ ہی لکھنے سے۔ اور ویسے بھی جب آپ کسی کام کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوجاتے ہیں تو پھر اس میں اتنے ڈوب جاتے ہیں کہ تھکان کا احساس ہی نہیں ہوتا

س) آپ کا ہمارے اس اخبار داستانِ دل کے بارے میں کیا کہنا ہے؟

ج) (ہنستے ہوئے) تمہارا کہاں ہوا یہ اخبار؟ یہ میرا بھی تو ہے (ویسے میڈم میں نے ہمارا لفظ استعمال کیا ہے۔ شرارتی سا کومنٹ) بے حساب دعائیں داستانِ دل کے لئے، اس کی ٹیم کے لئے اور خاص طور پر ندیم عباس کے لئے۔ اللہ پاک اس چھوٹے سے بچے کو بہت عروج نصیب کرے۔ آمین

س) داستانِ دل کی چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے آپ کیا سمجھتی ہیں کہ یہ کہاں تک جائے گا۔ جیسا تین شمارے پبلش ہو چکے ہیں۔ ان کی بنیاد پر آپ اس کو کہاں دیکھتی ہیں؟

ج) میں الحمد اللہ اس اخبار کا مستقبل بہت تابناک دیکھتی ہوں۔ جس طرح سے تم سب بچے مل کر اس کے لئے کام کر رہے ہو وہ دن دور نہیں جب یہ اخبار کتابی شکل میں ہر جگہ اپنا مقام بنائے گا۔ انشاء اللہ (آمین)

س) رائیٹرز پر تنقید کرنے والوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

ج) رائیٹرز کے لئے تنقید ان کے لئے بہتری کا سبب بن سکتی ہے لیکن بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ فضول میں تنقید کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شہرت چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح بہت سے لوگوں کی نظر میں آجائیں

س) کیا رائیٹرز کو اپنی تنقید کا جواب دینا چاہئے؟ کیا آپ کو کبھی کسی تنقید کا سامنا ہوا اگر ہوا تو آپ نے کیسے اپنا دفاع کیا؟

ج) الحمد اللہ! مجھے تو یاد نہیں کہ کسی نے مجھ پر تنقید کی ہو اور اگر کی ہوگی تو میں اصلاحی تنقید کو سر آنکھوں پر رکھوں گی اور اپنی اس کمی کو دور کروں گی اور اگر تنقید برائے تنقید ہوئی تو جواب ضرور دوں گی۔

س) اگر آپ رائیٹر نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟

ج) اگر میں رائیٹر نہ ہوتی تو ہاؤس وائف ہوتی۔

سوال) محبت کیا ہے؟

ج) محبت زندگی ہے

س) آپ زیادہ تر کن اوقات میں لکھتی ہیں

ج) لنچ سے لے کر عصر کی نماز تک اور یہی وقت مجھے پسند ہے کیونکہ یہی وقت میرا اپنا ہوتا ہے۔

س) سب سے آخر میں نئے رائیٹرز کو ایک اچھا سا پیغام دیں تاکہ وہ بھی ادب میں اپنا مقام بنا سکیں

ج) اچھا اچھا لکھیں۔ اللہ پاک نے جو آپ کو صلاحیتیں دی ہیں۔ اس کا استعمال مثبت کریں۔ اللہ پاک ہم سب پر اپنا کرم رکھے آمین۔

# محبت نامے (خطوط)

انچارج ندیم عباس ڈھکو: 0322-5494228

### ایم افضل آزار ساہیوال

اسلام علیکم ندیم عباس ڈھکو داستان دل کا شمار املا بہت اچھا لگا اس بار بہت زیادہ محنت کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ دی کی شاعری سٹوری، غزلیں بہت اعلیٰ ترتیب دی ندیم بھائی سٹوری میں شام تنہائی شاندار جاری بہت اعلیٰ سٹوری ہے۔ قسط نمبر 2 دل بڑی مشکل سے ہارا ہے اچھی سٹوری ہے۔ مایوسی گناہ ہے شعیب عالم کی سٹوری دور کے ڈھول سہانے، مہوش ملک لے کر بھلا کر بھلا علی حسین تابش، پردہ فاطمہ اے عید لائی ساتھ تمہارا عالشہ انصاری کی سٹوری بہت اچھی تھی شاعری میں داؤد احمد نیازی۔ سعود علی لا ظفر اقبال عارف علی اقرا سف، فاطمہ، محمد دانش رمضان پریمی، ارشد محمود ارشد، فاطمہ حسینی مریم کراچی ندیم سخات اے آرا جہلم منظر کی شاعری بہت اچھی تھی سب دوستوں کو افضل آزار ویلکم کہتا ہے آپ سب سے اپیل ہے کہ ہمیشہ ایسے لکھتے رہنا۔ داستان دل کے لیے دعا ہے اللہ تعالیٰ اسکو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین

«بہت شکریہ ہمیشہ دعاؤں کا انمول تحفہ لے کر حاضر ہوتے رہنا۔ انتظار رہے گا»

ایم افضل آزار ساہیوال

### حاجی ولی اعوان گولڑوی چکوال

السلام وعلیکم تمام قارئین

محترم چیف ایڈیٹر، یڈیٹر ندیم عباس ڈھکو آپکا شمارہ یکم مئی 2016ء کو گفٹ ملا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ تمام سلسلے بہت اچھے لگے۔ غزلیں او انصاریہ عورت کا واقعہ نے بہت متاثر کیا غزلوں میں نائمہ غزل نے بہت اچھا لکھا۔ جذبات کے فیصلے، آصف جاوید نے بہت خوب لکھا۔ خطوط میں مہوش ملک، آصف جاوید علی رضا، سماویہ چوہدری، کنول جی تنہا، فاطمہ خان سب نے شامل ہو کر بہت اچھا لکھا۔ میں کچھ مصروفیات کی وجہ سے ادبی دنیا سے غیب تھا مگر بھائی جبرائیل اور غازی شاکر نے دوبارہ قلم تھما کر واپس بلا دیا۔ اور بھی سب دوستوں نے خوب لکھا۔ اور تمام دوستوں آپ سب میرے بھائی چھوٹے کے لیے دل سے دعا کرو کہ وہ جلد جیل سے بری ہو کر آجائے میری کل کائنات اجڑ گئی ہے باپ وفات پا گیا۔ چھوٹا بھائی جیل قید، بڑا بھائی لاپتہ۔ سب دعا کرو کہ میرے حالات زندگی جلد ٹھیک ہو جائیں اور میں دوبارہ اپنا قلم اٹھا کر تحریریں لکھنا شروع کر دوں۔ ایک شعر اور دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں آپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

فریاد کر رہی ہیں ترستی ہوئی نگاہیں دیکھے ہوئے بھائیوں کو بہت دن گزر گئے ہیں حاجی ولی اعوان گولڑوی چکوال

«بھائی آپکے والد کا سن کر بہت دکھ ہوا، اللہ تعالیٰ آپکے والد کے درجات بلند کرے، اور آپکی تمام پریشانیاں حل کرے آمین»

### محمد خاں انجم دیپالپور

محترم بھائی ندیم عباس ڈھکو ادب کی دنیا کو زندگی دے ڈالی ہے آپ نے تو۔ ماہ اپریل اینڈ ماہ مئی 2016ء کے دونوں داستان دل اخبار ملے پڑھ کر دل پُر مسرت ہو گیا۔ آپ کی شام تنہائی دل کی تاروں کو ہلا گئی۔ نبیلہ نازش راؤ اوکاڑہ کی داستان (رہے حرف دُعا زباں پر) بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اُمید ہے نبیلہ جی آپ آئندہ بھی معاشرتی موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی جسارت کرتی رہیں گی ہمیں آپ کی تحریروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔ مزید نائمہ غزل ارشد محمود ارشد، عروج فاطمہ، اقراء انمول، سید عباس حیدر مہوش ملک، کنول خان، نوشین اقبال، افضل آزاد مصباح اکرم، شیراز احمد چشتی ان سب کی شاعری دل چھو لینے والی تھی۔ ندیم صاحب اخبار کو جلد کتابی شکل میں قابل اشاعت بنائیں (انشاء اللہ آپکو بہت جلد یہ خوشخبری ملے گی دعا کرتے رہنا)۔ ہمارا مکمل تعاون آپ کے ساتھ رہے گا۔ نزہت جبیں ضیا بھی اچھی رائیٹر ہیں۔ ان کی تحریر دل بڑی مشکل سے ہارا ہے۔ ایک انمول تحریر ہے۔ ماہ جون کے لیے عید کے موضوع پر اپنی لائف کی ایک کہانی بھجوا رہا ہوں اُمید ہے ماہ جون کے اخبار کی زینت ہی بنائیں گے۔ آئندہ ماہ تک کے لیے اللہ نگہبان۔

محمد خاں انجم دیپالپور

(آپ کی آمد ہمارے لیے باعثِ اعزاز ہے آپکی سٹوری شامل کر لی گئی ہے ہمیشہ حاضری دیتے رہنا شکریہ)

### آپ کا اپنا سعید جگر کالا گوجراں جہلم

جناب ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو صاحب

حضور پاک ﷺ پر درود اور آپ کی خریت مطلوب کے بعد عرض خدمت ہے آپ نے F10 پر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میگزین روانہ کریں گے میرا ایک کلب ادبی لوگوں میں رابطے کا ایک ذریعہ ہے۔ آپکی ادبی خدمات کا اعتراف اپنی جگہ۔ آپ میرا ساتھ دیں۔ تعاون کریں آپ کا میگزین ادبی لوگوں تک روانہ کرنا میرا ذمہ ہے۔ کوئی بھی پرانے رسائل ادبی، مذہبی روانہ کریں۔ بندہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔ لوگوں کی میز پر آپ کا ادبی کام موجود ہو گا۔ تمام کارکنان اور خاص طور پر۔ نزہت جبیں ضیاء صاحب رانا شعیب عالم صاحب آصف جاوید زاہد صاحب، رمضان تبسم پریمی صاحب، کو میرا اسلام علیکم قبول ہو۔ دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ۔

«پیارے بھائی آپ کو شمارے ارسال کر دیئے، ہم نے وعدہ پورا کیا اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں،،»

### محمد شعیب فیصل آباد

السلام علیکم ندیم صاحب!

سب سے پہلے تو آپ کو بہت بہت مبارک ادب کی دنیا میں ایک نئے جریدے کے لئے۔ داستانِ دل واقعی ادب کی دنیا میں ایک نیا رنگ ہے۔ اپریل سے ہی اس نے اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑنا شروع کر دیئے اور وہ دن دور نہیں جب انشاء اللہ داستان دل پاکستان کے مقبول ترین جریدوں میں شامل ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے امید ہے کہ جلد ہی یہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو گا تا کہ لوگوں میں مزید مقبولیت حاصل کر سکے۔ اب ذرا چلتے ہیں تبصرے کی طرف۔ سب سے پہلے تو داستانِ دل کی رونق شام تنہائی کی بات کرتے ہیں۔ جون کی قسط تو بہت ہی دل دہلا دینے والی تھی۔ خدا ہر کسی کو ایسے زلزلے سے محفوظ رکھے۔ اس قسط کو پڑھتے ہوئے ۲۰۰۵ میں آنے والا زلزلہ یاد آ گیا۔ جس نے جس قدر تباہی مچائی تھی، اتنے ہی لوگوں نے اپنوں کو چھین لیا تھا، خدا تعالیٰ ہمیشہ اس ملک پر اپنی رحمت نازل فرماتا رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل بڑی مشکل سے ہارا ہے بھی جون کی رونق ثابت ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جو تحریریں میرے دل کو چھو گئیں ان میں عید لائی ساتھ تمہارا، دنیا کسی کی نہیں، پردہ اور کربھلا ہو بھلا تھیں۔ حصہ غزلیات میں سب سے بہترین غزل مجھے دانش انقلابی کی لگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ جان کر اور بھی اچھا لگا کہ ان کا تعلق سعوی عرب سے ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ داستانِ دل ابھی سے پاکستان سے باہر بھی مقبول ہو رہا ہے۔ اللہ مزید کامیابیاں دے (آمین)۔ اس کے ساتھ ساتھ حمیرا نوشین، عنبرین اختر اور زینب ملک کی غزلیں اچھی تھیں۔ باقی شعراء حضرات بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حصہ نظم میں شازیہ کریم اور جیاز بیری سب سے بہترین تھیں۔

اس ماہ کے لئے صرف اتنا انشاء اللہ اگلے ماہ تبصرے کے ساتھ پھر حاضری ہو گی۔ تب تک کے لئے اللہ حافظ۔!



# لہولہو عیدیں

## تحریر:۔ محمد خاں انجم دیپالپور

گزشتہ ہر سال کی طرح رمضان المبارک اینڈ عید الفطر کی آمد آمد ہے۔ عبادتی ریاضات کا موسم آ گیا ہے۔ انسان بہت گنہگار ہے دل عشق اور اللہ تعالیٰ سے نسبت کا ذریعہ ہے۔ رمضان کا مہینہ ملن رُت کا بہانہ ہے عید الفطر کچھ عیدیں خاص ہوتی ہیں اور بعض اوقات کچھ عیدیں سُرخ آنسوؤں کی برسات سے لہو ہو جاتی ہیں۔ بچپن لڑکپن اور جوانی آرزوؤں اور اُمنگوں کی آماجگاہ ہوتی ہے یہ سب انسان اگر اشرف المخلوقات ہے تو اُسے صرف رشتوں کو بچانے کے لیے نبھانے کے لیے یا افضل رُتبہ دیا گیا ہے اور سب سے بڑا رشتہ محبت کا ہے۔ جو دور حاضر میں شاید نا پائید ہو چکا ہے۔ عید مسرت کا نام ہے لیکن کبھی کبھی یہ خوشیوں بھرے لمحات محبت کرنے والوں کو اتنا توڑ جاتے ہیں کہ پھر وہ زندگی بھر ان لمحات کے دوبارہ آنے پر لہولہو ہوتے رہتے ہیں۔ پندرہ سال پہلے بھی اسی طرح ہی ایک رمضان آیا پھر عید آئی میں کام سے تھکا ہارا جب شام کو گھر لوٹا تو آج تو میرا سارا بدن دکھ رہا تھا۔ کام کافی زیادہ ہونے کی وجہ بھی تھی اور پھر جون جولائی کی ظالم گرمی بھی عروج پر تھی۔ روزہ افطار کیا نماز مغرب ادا کی ہلکا پھلکا سا کھانا کھایا، بہت تھکاوٹ ہو رہی تھی لیکن پھر بھی ہمت کر کے اٹھا اذان عشاء ہو رہی تھی جلدی سے وضو کیا اور مسجد چلا گیا آج تو نماز پڑھنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی لیکن انسانی سوچ سے جنگ کر کے نماز پڑھی اور نماز تراویح بھی ادا کر ڈالی۔ رات کے دس بج رہے تھے گھر آتے ہی اپنے کمرے کی چھت پر سکون سے سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن آج شاید نیند کی دیوی مجھ سے روٹھ چکی تھی۔ ہلکی ہلکی چلتی ہوا مجھے جانے کب میرے ماضی میں لے گئی۔ آنکھیں نہ برستی نہ رکتی ایک شمع تھی دل کی جو برسوں پہلے ایک عید نے ہی بجھا ڈالی تھی ہر سال ہی ان دنوں میں مجھ پر قیامت ٹوٹتی ہے۔ وہ چوڑیوں کی کھنک وہ قاتل سارنگ مجھے ذہر لگتی ہیں اب تو لہو عیدیں ماتم کرتی ہے مجھے پر عید معلوم نہیں میں کس روش پر گامزن ہوں دن کے

اجالوں میں بھی جگنو پر کھنے کی صدا کرنے لگا ہوں ماضی کی انتہاہ گہرائیوں میں نہ جانے کیوں میری یہ سب عیدیں لہو ہیں۔ کاش مجھے کوئی الہام ہوتا کاش میرے معصوم جذبوں کی اس قدر تقسیم نہ ہوتی جانے اپنے سامنے کتنی خواہشیں فنا ہوتی دیکھیں لیکن پھر بھی یہ دل میری دسترس میں نہ رہا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی چاہت کے سریلے گیت اپنے منہ میں سما بیٹھا۔ دل کیوں اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ دل اور جذبوں میں آخر اتنی افراویت کیوں ہے؟ اب تو مجھے شہر کے رنگین بازاروں سے خوف آتا ہے۔ عید شاپنگ زہر بن کر ڈستی ہے۔ وہ حادثہ محبت میری وفا کو بھی نگل گیا جب بھی عید آتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں کسی ایسے دیس میں چلا جاؤں جہاں مجھے گزشتہ لہو عید یں پل بھر کے لیے بھی یاد نہ آئیں تاروں بھری رات میں ہلکی ہلکی چلتی گرم ہوا میرے زخموں کے تہہ میں کبھی انتشار نہ پھیلا سکے آنکھوں سے کبھی آنسو نہ گریں لیکن میں ٹوٹتا ہوں ٹوٹ کر بکھرتا ہوں صرف عید لمحوں میں دکھ ہمیشہ خاموش ہوتے ہیں۔ کسی کے بچھڑنے کا غم نہیں ہوتا بلکہ ان ٹوٹ جانے والے رشتوں کا ہوتا ہے جو عمر بھر کی رفاقت کے بعد پل بھی میں ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں ہاتھوں میں قلم بھی یہی غم ہی تھماتے ہیں لفظوں کی تخلیقات کو یہی دکھ ہی تو روانی دیتے ہیں میں لکھ رہا ہوں مگر ہر سوچ پر پہرہ ہے کیونکہ محبت کو دکھ بہت گہرا ہے زیست کی کوشش چھن جائے تو یہی اوراق ہی تو ان دکھوں کو مداوا کرتے ہیں۔ لاحدود سوچیں احساس زیست کو اور بھی الجھا دیتی ہیں۔ غزل رمضان آدھے سے زیادہ گزر چکا ہے اور تم ابھی تک خاموش ہو اس کا نام غزالہ تھا لیکن میں پیارے سے اسے غزل کہتا تھا کیونکہ وہ میری شاعری کی دل کی گہرائیوں سے دیوانی تھی ایک دن میری ڈائری پڑھتے ہوئے اس نے میری ایک غزل پر ڈھیروں مبارک باد دے ڈالی تھی تب سے میں اسے غزل ہی کہہ کر بلاتا تھا۔ مجھے کہنے لگی انجم صاحب ابھی کافی دن پڑے ہوئے ہیں

# تحریر: نادیہ خان بلوچ کوٹ ادو ☆☆☆ رمضان المبارک ☆☆☆

ارحم میں نے آپکو پہلے ہی کہہ دیا تھا مجھے 50 ہزار چاہیے۔ میں نے اپنی فرینڈز کو افطار پارٹی دینی ہے۔ آپ جانتے ہو ناں میں کتنی سوشل ہوں، روز کسی نہ کسی فرینڈ نے انوائٹ کیا ہوتا ہے کبھی بیٹے کی سالگرہ کے نام پر پارٹی، تو کبھی ایگزام میں اچھے مارکس آنے پر پارٹی۔۔۔۔ ایک میں ہوں کہ مجھے ہر بات کیلئے آپ کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں کتنا امپرس فیل کرتی ہوں ان سب کے سامنے۔ سعدیہ نے افطاری کے بعد ٹیبل سے برتن اٹھاتے ہوئے ایک ہی سانس میں اپنے شوہر ارحم سے کئی گلے کر ڈالے۔ ارحم صاحب جو کہ افطاری کے بعد سگریٹ پینے میں مصروف تھے، بنا کچھ بولے سب سنتے رہے۔۔۔ سعدیہ سے ارحم کی مزید خاموشی برداشت نہ ہوئی تو اس نے ارحم کو اپنی طرف متوجہ کرانے کیلئے برتنوں کو زور سے ٹیبل پر رکھا۔ ارحم میں آپ سے بات کر رہی ہوں دیواروں سے نہیں۔۔۔ سنا آپ نے؟؟ ارحم نے گردن پھیر کر سعدیہ کی طرف دیکھا جسکی آنکھیں ارحم کے چہرے پر جمی تھیں۔ ہاں بابا سن رہا ہوں۔ میں نے آفس میں لون کی بات کی تو ہے۔ شاید دو تین دن تک مل جائے، مگر میری بھی ایک بات سن لو پھر تمہیں عید پہ ڈیزائنر کپڑے دلانے کیلئے میرے پاس پیسے نہیں ہوں گے۔ ارحم نے فیصلہ کن لہجے میں سعدیہ کو جواب دیا۔ سعدیہ نے بات کو ان سنا کرتے ہوئے برتن وہیں ٹیبل پر چھوڑ دیے اور موبائل پر کسی کا نمبر ملانے لگی۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ کسی سے بات کر رہی تھی افطار پارٹی کے پروگرام ڈسکس کر رہی تھی۔ ارے میں تو ایسی پارٹی دوں گی سب دیکھتے رہ جائیں گے۔ مسز خان کی برتھ ڈے پارٹی کو بھی تم لوگ بھول جاؤ گے۔ یہ سعدیہ کے الفاظ تھے۔ آج اسے بھی بھرم دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ آج بہت خوش تھی۔ کچھ دن بعد جب ارحم صاحب کو آفس سے لون ملا تو انہوں نے 60 ہزار سعدیہ کو دیے۔ سعدیہ نے دکھاوے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہر طرح کے کھانے بنائے اپنی جان پہچان کی سبھی امیر خواتین کو بلایا۔ ان میں اکثر ایسی خواتین بھی مدعو تھیں جنہوں نے کبھی روزہ بھی نہیں رکھا تھا۔ سب نے سعدیہ کی بہت تعریف کی۔ سعدیہ خوشی سے پھولے نہیں سمائے جا رہی تھی۔ سعدیہ خود کو بہت اونچا محسوس کر رہی تھی۔ ابھی سب افطاری کی غرض سے ٹیبل پر بیٹھنے لگے تھے کہ ایک عورت ہاتھ میں بچہ اٹھائے گھر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سعدیہ اسے ڈرائنگ روم میں دیکھ کر زور زور سے گھر کی ملازمہ پر چلانے لگی کہ اسے اندر کس نے آنے دیا۔ کون ہو تم؟ اندر کیسے آئی؟ سعدیہ نے اس عورت سے سوال کیا۔ بی بی جی آپکا گیٹ کھلا تھا تو اندر آ گئی۔ بی بی جی میں منگتی نہیں ہوں۔ میرا روزہ

# دل بڑی مشکل سے ہارا

**نزہت جبیں ضیاء**

**(آخری قسط حصہ اوّل)**

تابندہ نے نہایت خوش اسلوبی سے گھر کے کام نپٹائے، ساتھ ساتھ باسل، ذہاد اور ننھی ربیعہ کے سارے کام کرتی۔ واجدہ بیگم اسے دیکھتیں تو انہیں شدید دکھ ہوتا، کتنی پیاری اور مخلص بچی تھی لوگوں کے دکھ سمجھنے والی، عزت کرنے والی، خیال کرنے والی گھر بسانے والی مگر وصی کتنا پاگل تھا۔ ناقدری کی، خود اپنے ہاتھوں سے بربادی کی طرف چلا گیا۔ وصی کو یاد کرتے ہی ان کا غصہ عروج پر پہنچ جاتا اور بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا، ایسے میں تابندہ بھاگ بھاگ کر ان کی خدمتیں کرتی، ان کی غذا، دوا کا خاص خیال رکھتی۔ ''بیٹی ہمیں معاف کر دینا۔'' اس روز تابندہ ان کے سر میں تیل لگا رہی تھی کہ انہوں نے تابندہ کے ہاتھ تھام کر شرمندگی سے کہا۔ ''ہم اور خصوصاً وہ بدبخت بدنصیب ہے جس نے تیری قدر نہ کی اور تجھے ٹھکرا دیا۔'' ماں جی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ ''ارے خالہ! کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ اور ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟ ایسی باتیں کرتی ہیں تو مجھے دکھ ہوتا ہے اور خالہ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اس میں ہماری بہتری اور بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ بظاہر ہمیں نظر نہیں آتی مگر پس پردہ کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہوتی ہے اور پھر یہ نصیب کی بات ہے آپ ایسی باتیں کرتی ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تو اللہ کی رضا سمجھ کر مطمئن ہوں۔'' وہ واجدہ بیگم کا ہاتھ تھام کر نرم اور میٹھے لہجے میں انہیں سمجھاتی۔ واجدہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتیں۔ ''تابندہ تو ہمیشہ خوش رہے، میری بچی اور تو اپنے گھر پر راج کرے، دنیا کی ساری خوشیاں اور آسائشیں تیرے قدموں میں ہوں۔'' ماں جی دل سے دعا دیتیں اور تابندہ مسکرا دیتی (آمین ثم آمین)۔ گھر میں اب کوئی وصی کا نام بھی نہیں لیتا تھا وصی کو ایک خواب سمجھ کر بظاہر بھلا دیا گیا تھا، کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے۔ تابندہ کی شادی بہت اچھی فیملی میں ہو چکی تھی وہ اپنے شوہر اور تین بچوں کے ساتھ مسقط میں ٹھاٹ کی زندگی گزار رہی تھی۔ اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی واجدہ بیگم وصی کے معاملے میں آج بھی اتنی ہی سخت گیر تھیں، ان کے رویے میں کوئی لچک نہ آئی تھی۔ ذکی صاحب نے وصی سے رابطہ قائم رکھا تھا اور اس بات کی خبر گھر کے کسی فرد کو نہ تھی حتیٰ کہ عرفانہ بیگم بھی اس حقیقت سے لاعلم تھیں۔ ذکی نے وصی کو ہمیشہ بیٹے کی طرح سمجھا تھا اس سے خاص انسیت تھی اور لگاؤ تھا گو کہ انہیں بھی وصی شاہ کی یہ حرکت ناقابل معافی لگی تھی مگر وہ فطرتاً نرم دل بھی تھے پھر یہ تو ان کا اپنا خون تھا چھوٹا اور لاڈلا بھائی...... وہ اس سے زیادہ ناراض نہ رہ سکے اور وصی کی آنے والی فون کال ریسیو کر لی تھی اور اس سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے مگر گھر والوں سے یہ بات چھپا کر رکھی تھی کہ اگر بھولے سے بھی کبھی ماں جی کو بھنک پڑ گئی تو...... وہ ذکی کو بھی کبھی معاف نہ کریں گی۔ وصی شاہ امریکہ میں تھے وہاں پر مسلمان فیملی میں شادی کر لی تھی، ان کی ایک بیٹی راعبہ تھی۔ وصی کا امریکہ جانا، کاروبار کرنا، شادی اور پھر راعبہ کی پیدائش کی ہر چیز کی، ہر بات کی خبر ذکی شاہ کو تھی۔ وصی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تذکرہ بھی بھائی سے ضرور کرتے اور ان سے مشورے بھی لیتے۔ ان کو ڈھیروں دعائیں دیتے اور پھر اچانک وصی کی بیوی ذامیہ کو بلڈ کینسر جیسا موذی مرض ہو گیا، ذکی شاہ سے بات کر کے وصی بری طرح بکھر گیا۔ ''بھیا...... بھیا...... ذامیہ بہت اچھی، بہت نیک اور محبت کرنے والی بیوی اور ماں ہے، وہ ہمارا بہت خیال رکھتی ہے اگر وہ نہ رہی تو ہم بھی جی نہیں سکیں گے بھیا! میں نہیں چاہتا کہ میں اور میری بچی اس کے بنا رہیں یہ بہت مشکل ہو گا ہمارے لیے...... بھیا! دعا کریں کہ کوئی انہونی، کوئی معجزہ کچھ ہو جائے ڈاکٹر تو بالکل ناامید ہیں مگر......'' وصی کال کرتے بری طرح رو پڑے۔ ''میرے بھائی تو فکر مت کر اللہ بہتر کرے گا۔ ڈاکٹرز ناامید ہیں تو کیا ہوا ہم پر امید ہیں اپنے خدا سے، ہمیں اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ وہ عطا کرنے والا ہے سننے والا ہے ہم اس سے بھیک مانگیں گے ذامیہ کی زندگی کی۔ وہ...... وہ ہماری ضرور سنے گا۔'' ذکی شاہ خود بھی اس کے ساتھ آبدیدہ ہو گئے، وہ کال بند کر کے بیٹھے تھے کہ کمرے میں نقی شاہ آ گئے۔ ''کیا ہوا بھیا! آپ کچھ پریشان ہیں؟'' نقی شاہ نے غور سے ان کے متفکر چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔ ''ہاں کچھ ایسی بات ہے؟'' انہوں نے اپنے سر کو ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا خیر تو ہے بتائیے ناں؟'' تب ذکی شاہ نے آہستہ آہستہ ساری باتیں اپنی اور وصی کے ساتھ ہونے والی تمام باتیں، رابطہ اور پھر ذامیہ کی طبیعت کے متعلق ایک ایک بات بتا دی۔ ''اوہ......'' نقی شاہ نے بھی سر تھام لیا۔ ''شکر خدا کا ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے بھیا! سچ پوچھیں تو مجھے وہ بہت یاد آتا رہا ہے لیکن صرف ماں جی کی وجہ سے میں خاموش تھا۔'' لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر وہ خاصے پریشان ہو گئے۔ ''اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا کرے۔'' انہوں نے بھی دل سے دعا دی۔ اس رات عرفانہ کام نپٹا کر کمرے میں آئیں تو ذکی شاہ کو سوچوں میں گم اور پریشان بیٹھا دیکھ کر ان کے قریب آ گئیں۔ ''کیا ہوا...... آپ لیٹے نہیں ابھی تک؟'' ''میں ٹھیک ہوں مگر میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں خاموشی سے سنو۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو عرفانہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ ''مجھے وصی کے بارے میں بات کرنی ہے، وہ امریکہ میں سیٹل ہے اس کی شادی کو تقریباً بیس سال ہو گئے ہیں، اس کی ایک بیٹی ہے اور اب پتا چلا ہے کہ اس کی بیوی ذامیہ کو کینسر ہے اور وہ کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ وصی بہت پریشان ہے۔'' ذکی کا لہجہ حد درجہ دکھی تھا۔ ''کیا...... کیسے...... مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟ کیسے پتا چلا آپ کو وصی کے بارے میں...... اور ہمارا وصی کیسا ہے......؟'' عرفانہ حیرت اور پریشان کن لہجے میں سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں یوں اچانک سے وصی کا ذکر اور اس کے بارے میں معلوم ہونے پر عرفانہ حیران و پریشان تھیں تب ذکی شاہ نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ ''شکر ہے کہ آپ اس سے رابطے میں رہے آپ یقین مانیں میں نے ان بیس سالوں میں ہر ہر دن وصی کو یاد کیا، اس کی کمی محسوس کی۔

اچھا کیا کہ آپ نے اسے تنہا نہیں چھوڑا، آپ اس کے ساتھ ساتھ رہے۔'' لیکن ذامیہ کے بارے میں سن کر عرفانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''وصی کیسا ہے...... اس کی بیٹی کتنی بڑی ہے...... وہ کب سے وہاں ہے؟'' عرفانہ بیگم نے کئی سوالات کر ڈالے۔ ''اس کی بیٹی راعبہ سترہ، اٹھارہ سال کی ہو گی، وہ جب سے یہاں سے گیا ہے وہیں ہے اور میں چاہتا ہوں یہاں گھر میں ذامیہ کی صحت یابی کے لیے دعا کروائی جائے۔'' ذکی شاہ کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ ''ضرور ضرور میں کل ہی انتظام کرواتی ہوں۔'' عرفانہ آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ گئیں، آج وہ کافی پرسکون تھیں یہ سوچ کر وصی سے ذکی شاہ کا رابطہ ہے لیکن ذامیہ کی طبیعت کا سن کر عرفانہ بھی دکھی ہو گئی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ذہاد سنجیدہ ہوتا گیا تھا، باسل ہنس مکھ اور جولی تھا اور طلال بقول حریمہ کے بے حد چھچھورا انسان تھا۔ ذہاد بہت کم ان لوگوں کی گیدرنگ میں بیٹھتا تھا، وہ آفس سے آ کر کمرے میں رہتا، کلب چلا جاتا یا پھر کوئی بک وغیرہ پڑھتا۔ جب بھائی کی پیدائش ہوئی تو ایسا تو نہیں کہ امی جی کسی سنیاسی بابا سے مل کر آئی ہوں یہ طلال کی رائے تھی جس کا اثر اسے ذہاد بھائی پر صاف صاف نظر آتا تھا۔ ذکی شاہ، نقی شاہ اور عرفانہ کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت نہ پا سکیں کیوں کہ ذامیہ اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی اور بیماری سے لڑتے لڑتے آخرکار کمزور اور ناتواں ذامیہ ہار گئی اور اس نے دم توڑ دیا۔ اپنی بیٹی اور شوہر کو یوں دیار غیر میں اکیلا اور بلکتا چھوڑ کر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ وصی بری طرح بکھر گئے، راعبہ چیخ مار کر گر پڑی۔ وصی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نازک وقت میں کس طرح اپنے آپ کو سنبھالیں؟ کس طرح بیٹی کو تسلی دیں؟ وہ اس وقت خود کو کتنے تنہا اور لاچار محسوس کر رہے تھے۔ کوئی اپنا قریب نہ تھا، ہسپتال کے کوریڈور میں وہ اپنا سر تھامے بینچ پر بیٹھے آنسو بہا رہے تھے، پاس ہی بیٹی بلک رہی اور اندر بیوی کی لاش تھی اور ہسپتال کی ضروری کارروائی پوری کی جا رہی تھی، تب ہی ذکی کی کال آ گئی۔ ''بھیا...... ذامیہ چلی گئی...... مجھے چھوڑ کر چلی گئی بھیا...... میں بہت اکیلا ہوں، بکھر گیا ہوں...... کتنا بےبس اور اکیلا ہوں بھیا...... میں کیا کروں؟'' کوریڈور میں وصی کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ ذکی شاہ کی آواز سن کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔ دوسری جانب ذکی شاہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ ''صبر کرو صبر کرو...... میرے بھائی! ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔'' ''بھیا میرے لیے دعا کریں...... بھیا میں نے بابا جی، ماں جی کا اور آپ لوگوں کا دل دکھایا ہے ناں اس وجہ سے میں......'' ''نہیں نہیں وصی...... ایسا مت کہو۔'' ذکی شاہ نے اس کی بات کاٹی۔ ''ایسا نہیں ہے بس جس کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے اسے وہ ملتا ہے، ہم کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔'' ذکی شاہ نے سمجھایا۔ حالانکہ ماں جی اتنی بوڑھی ہو گئی تھیں وقت کے ساتھ جسمانی طور پر کمزور ہو گئی تھیں مگر ان کی تمکنت اور جلال آج بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ بیس سال پہلے تھا۔ ان کے مزاج میں کوئی فرق نہ آیا تھا، آج بھی وہ وصی کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی تھیں۔ وصی کے لیے آج بھی ویسی ہی کٹھور اور سخت دل تھیں جیسا کہ بیس سال پہلے تھیں۔ آج بھی وہ اپنے بڑھاپے کی طرف جانے والے دونوں بیٹوں کو بری طرح ڈانٹ دیتیں اور بیٹے سر اٹھا کر جواب تک نہ دیتے۔ عرفانہ کو جب ذامیہ کی موت کی خبر ملی تو وہ بری طرح رو دیں انہیں وصی اور اس کی بیٹی کا رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کس طرح وہ لوگ اس صدمے کو برداشت کر پائیں گے۔ عرفانہ نے ذکی سے درخواست کی کہ میں وصی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ ''ٹھیک ہے کل جب دن میں ماں جی سو جائیں تو تم اور تسکین بات کر لینا۔'' ذکی شاہ نے وصی کا سیل نمبر دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''ٹھیک ہے۔'' عرفانہ خوش ہو گئیں دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد ماں جی حسب معمول اپنے کمرے میں جا کر سو گئیں تو عرفانہ اور تسکین نے اچھی طرح سے اطمینان کر لیا کہ وہ سو چکی ہیں تو وصی سے بات کرنے تسکین کے کمرے میں آ گئیں جب تسکین نے بات کر لی تو عرفانہ نے بات شروع کی دونوں کی پیٹھ دروازہ کی طرف تھی اور دروازہ بھی بھیڑا ہوا تھا۔ عرفانہ نے بات ختم کر کے جیسے ہی سیل آف کیا اور پیچھے مڑیں تو ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی، دروازے کے بیچوں بیچ ماں جی کھڑی تھیں اور قہر آلود نظروں سے دونوں بہوؤں کو گھور رہی تھیں۔ ''کس سے بات ہو رہی تھی......؟'' آواز میں سختی نمایاں تھی۔ ''وہ...... وہ...... ماں جی......'' تسکین کی تو گھگھی بندھ گئی۔ ''وہ...... وہ......'' عرفانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عین وقت پر پکڑی جانے والی چوری کا کیا جواب دیں۔ ''مجھے تم لوگوں سے یہ امید نہ تھی۔'' نہایت غصے کے عالم میں ماں جی نے بس اتنا کہا اور واپس پلٹ گئیں۔ ''ماں جی...... ماں جی......'' دونوں ان کے پیچھے لپکیں اور ان کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر انہوں نے بری طرح دونوں کے ہاتھ جھٹک دیے۔ ''میں تم لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے زہرخند لہجے میں کہتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ''بھابی اب کیا ہو گا......'' تسکین باقاعدہ رونے لگیں۔ عرفانہ تسکین کا ہاتھ پکڑ کر ماں جی کے کمرے میں آ گئیں۔ ''ماں جی! ہمیں معاف کر دیجیے ہم سے غلطی ہو گئی۔'' دونوں نے ان کے پیر پکڑ لیے۔ ''خبردار! تم دونوں نکل جاؤ میرے کمرے سے، تمہاری شکلیں بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' ماں جی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ دونوں روتی ہوئی باہر آ گئیں، عرفانہ نے ذکی شاہ کو فون کر کے تفصیل بتائی۔ ''دادو چائے پی لیں۔'' حریمہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو ماں جی آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی تھیں۔ ''دادو......'' انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو حریمہ نے دوبارہ انہیں آواز دی۔ ''حریمہ! میرے کمرے سے چلی جاؤ اور کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے اتنی زور سے کہا کہ حریمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''امی جی! دادو بہت ناراض ہیں۔'' باہر آ کر وہ تسکین کے سامنے رو پڑی۔ تھوڑی دیر میں ذکی شاہ اور نقی شاہ آ گئے، سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے اور سوچ رہے تھے کہ کس طرح ماں جی کا غصہ ٹھنڈا کیا جائے، سب پریشان تھے۔ ''ہم اچھی طرح اطمینان کر کے ہی کال کرنے بیٹھے تھے۔'' عرفانہ نے صفائی دی۔ ''وصی ہمارا خون ہے جوانی کے زور پر اس نے کوئی بہت بڑا قدم اٹھا لیا تھا مگر بھلا جسم سے جان جدا ہو سکتی ہے۔ پانی میں لکڑی مارنے سے ہم پانی کو الگ کر سکتے ہیں کیا؟ کیسے چھوڑ دیتا میں اسے......'' ذکی شاہ کی آواز بھرا گئی۔ دفعتاً سب کی نگاہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر جم گئی جہاں ماں جی کھڑی تھیں۔ شکستہ شکستہ اور نڈھال سی، یہ وہ ماں جی تو قطعی نہیں لگ رہی تھیں جو اب سے کچھ دیر پہلے تھیں۔ سفاک اور کرخت۔ ''کیا ہوا ماں جی!'' سب لوگ ان کی طرف دوڑے۔ ''ذکی...... وصی سے کہو ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔'' لڑکھڑاتے لہجے میں کہہ کر ماں جی واپس لوٹ گئیں۔ ''یہ...... یہ...... ماں جی نے کیا کہا ہے؟'' عرفانہ کو لگا جیسے انہوں نے کچھ غلط سنا ہے۔ ''ماں جی وصی سے ملنا چاہتی ہیں۔'' سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر غیر یقینی انداز میں ایک دوسرے سے تصدیق کر رہے تھے۔ ''مطلب...... مطلب ماں جی نے وصی کو معاف کر دیا۔'' تسکین کی آواز خوشی کے مارے لرز رہی تھی۔ ''ہاں بھابی!'' تسکین عرفانہ کی طرف پلٹیں اور ان سے لپٹ گئیں، ذکی اور نقی حیران تھے۔ یوں اچانک سے چٹانوں جیسی سخت گیر اماں کا بدل جانا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''ٹھہرو میں ماں جی کے پاس جاتا ہوں۔'' نقی نے کہا، ذکی شاہ بھی ساتھ ہو لیے۔ پیچھے پیچھے عرفانہ اور تسکین بھی چلی آئیں۔ ''ہاں بچو!'' ماں جی نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ''تمہارے بابا میرے خواب میں آئے تھے وہ...... وہ بہت پریشان تھے انہوں نے مجھے کہا واجدہ! بس کرو اب اسے معاف کر دو وہ...... وہ بہت پریشان ہے۔ وہ بہت اکیلا ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' کہہ کر ماں جی رو پڑیں۔ ''ماں جی ہمیں معاف کر دیں کہ ہم نے آپ کی اجازت کے بغیر اس سے رابطہ رکھا۔'' ذکی شاہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر معافی مانگی۔ ''نہیں ذکی! تم نے ٹھیک کیا ورنہ آج میں تمہارے بابا کو کیا جواب دیتی۔ تم وصی کو فون کرو میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' ماں جی نے کہا۔ سوگوار اور مکدر ماحول یکسر بدل چکا تھا، نوجوان پارٹی بھی آ گئی تھی اور سب لوگ بےحد خوش تھے۔ ماں جی وصی سے بات کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، دوسری جانب وصی کا بھی وہی حال تھا، انہیں بیوی کی موت کے غم کے ساتھ اپنوں سے دوبارہ رابطہ کرنے کی نوید مل گئی تھی، ماں جی نے انہیں بلوا لیا تھا۔ راعبہ نے سنا تو وہ بھی خوشی سے بےقابو ہو گئی۔ بچپن سے راعبہ نے پاپا کو اپنی فیملی کا ذکر کرتے سنا تھا اس وقت ان کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک ہوتی، اپنوں کا پیار ہوتا تب راعبہ کو اپنے پیارے پاپا پر بے حد ترس آتا وہ سوچتی پتا نہیں پھر سے وہ مل سکیں گے کہ نہیں؟ کیا پاپا ایک بار پھر اپنی فیملی میں اپنے بھائیوں اور ماں جی کے ساتھ رہ پائیں گے؟ کیا میں بھی کبھی اپنے کزنز سے، دادو سے اور تائی امی سے تایا جی سے مل سکوں گی؟ کیا ہمارے نصیب میں بھی بڑی سی فیملی ہو گی؟ مگر اس کو اپنے سوالوں کا جواب کبھی بھی نہ ملا، وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال کرتی اور لاجواب ہو جاتی کہ اچانک پاپا نے اسے پاکستان جانے کا مژدہ سنایا۔ ''سچ پاپا......'' وہ خوشی سے بےقابو ہو گئی تھی۔ ''واقعی پاپا کیا میں اپنی دادو جی سے مل سکوں گی؟ میں اپنے بہن بھائیوں سے مل پاؤں گی؟ کیا میں اپنی عرفانہ تائی امی اور تسکین تائی کی گود میں سر رکھ کر ماما کی گود کا سکون پا سکوں گی؟'' راعبہ کی بات پر وصی نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ ''ہاں میری بچی! ضرور ان شاء اللہ ہم پھر سے ایک ہو جائیں گے۔'' ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ادھر سارے گھر میں ہنگامہ مچا ہوا تھا بیس سال بعد چاچو آ رہے ہیں سب سے زیادہ ایکسائٹمنٹ طلال کو تھی کہ ان کی ایک عدد حسین و جمیل امریکن پلٹ بھی آئے گی اور اپنی اتنی جلدی ہو جانے والی منگنی پر سخت نالاں اور افسردہ بھی تھا۔ ''یار میری سمجھ میں نہیں آتا بڑے بھیا کہ آپ لوگوں کو میری منگنی کرنے کی اتنی جلدی کیوں تھی؟ کیا میں دیواریں کودنے لگا تھا جو آپ لوگوں نے حریمہ نام کی زنجیر میرے پیروں میں ڈال دی۔'' وہ باسل سے مخاطب تھا۔ ''تو نکال پھینکو اس زنجیر کو کسی کو شوق نہیں ہے تمہارے ساتھ اپنی قسمت پھوڑنے کا۔'' حریمہ نے چلبلا کر جواب دیا۔ ''لاحول ولا قوۃ، خاموش ہو جاؤ تم دونوں۔'' باسل نے دونوں کو ڈانٹا۔ ''ہمیشہ چیخ چیخ کرتے رہتے ہو۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ راعبہ کا کمرہ کیسے سیٹ کیا جائے......'' ''جی جی بھائی! میں نے سوچ لیا ہے۔'' طلال نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا سوچا؟'' باسل نے پوچھا۔ ''وہ میں نے سوچا ہے کہ میری بڑی بڑی پکس بنا کر کمرے میں لگا دی جائیں تاکہ وہ پری وش اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مجھ جیسے خوبرو نوجوان کو دیکھتی رہے۔'' طلال نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے حریمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لعنت ہے تم پر۔'' حریمہ تنتناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اوکے جب اٹھ ہی گئی ہو تو پلیز دو کپ چائے بنا لانا۔'' طلال نے اسے جاتا دیکھ کر زور سے کہا اور قہقہہ لگایا۔ ''یار طلال! کبھی تو سیریس ہو جایا کرو، دیکھو وہ ناراض ہو گئی ناں۔'' باسل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر سرزنش کی۔ ''دیکھیں بڑے بھائی ابھی دو منٹ میں منا کر لاتا ہوں۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور واقعی تھوڑی دیر بعد ہی دونوں ہنستے ہوئے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ باسل اور ربیعہ دونوں ہی دیکھ کر مسکرا دیے۔ پھر موضوع وہی تھا کہ راعبہ کے کمرے میں کیا کیا چیزیں ہونی چاہئیں، اس کے لیے کپڑوں کی بات ہونے لگی۔ ''یقیناً وہ جینز، ٹی شرٹ اور اسکرٹس وغیرہ پہنتی ہو گی، وہ لینا چاہیے ہمیں۔'' ربیعہ نے کہا۔ ''میرا خیال ہے تم لوگ ابھی رہنے دو وہ آئے گی تو اس کو ساتھ لے کر جانا اور اس کی پسند کے ڈریسز دلوا دینا۔'' باسل نے کہا تو ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا تب ہی ذہاد آ گیا۔ ''آئیے چھوٹے بھائی آپ بھی حصہ لیجیے ہماری باتوں میں۔'' طلال نے اسے دیکھ کر پکارا۔ ''ذہاد بھیا گڈ نیوز ہے؟'' حریمہ بھی جلدی سے بولی۔ ''کیسی نیوز......؟'' ذہاد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''وصی چاچو آ رہے ہیں پاکستان؟'' ''کیا......؟'' ذہاد صوفے سے یوں اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ ''اچھا۔'' اس نے اندرونی کیفیت کو چھپانے کی ناکام کوشش کی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وصی کے آنے کی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں مدت سے بند وصی کا کمرہ کھول دیا گیا تھا، اسٹور روم میں بند اس کی چیزوں کو نکال کر جھاڑ پونچھ کی جا رہی تھی، اس کے کمرے کی صفائیاں ہو رہی تھیں۔ سارے گھر والے خوش تھے اور وصی کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے سوائے ذہاد کے جو عجیب سی بےچینی اور بےکلی کا شکار تھا۔ اسے پھر سے وہی سب کچھ یاد آنے لگا تھا، دادا کی اچانک موت، تابندہ خالہ کی بےبسی اور سوگوار چہرہ اور...... اور تابندہ خالہ کی دوہری زندگی جو وہ گزشتہ کئی سالوں سے گزار رہی تھیں۔ بظاہر مطمئن نظر آنے والی تابندہ اندر سے کتنی ٹوٹی ہوئی، کتنی بکھری ہوئی ہے۔ وہ کتنا پیار کرتی تھیں وصی چاچو کو اور وصی چاچو نے کتنی بےدردی سے انہیں ٹھکرا دیا تھا، گھر کی بربادی کے ذمہ دار وصی چاچو ہیں۔ آخرکار وصی شاہ کی آمد کا دن آ گیا، ماں جی صبح سے بہت بےچین تھیں، ان کا دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد وصی آ جائے اور ان کے سینے سے لگ جائے۔ بیس سال کی دوری برداشت کر لی تھی لیکن چند گھنٹے کی دوری برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وصی کو لینے ذکی، نقی اور باسل گئے تھے جبکہ ذہاد آج بھی کلب گیا ہوا تھا، وصی گھر آئے تو ماں جی کو دیکھ کر برداشت جواب دینے لگی اور ماں بیٹا لپٹ کر ایسے روئے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وصی کے پیچھے کھڑی راعبہ کو ربیعہ اور حریمہ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہی تھیں اور طلال خود کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ بلیک اور پرپل لائٹ سی ایمبرائیڈری کا سوٹ پہنے بڑے سے جارجٹ کے دوپٹے کو شانوں پر پھیلائے سر پر بلیک اسکارف باندھے، گوری رنگت اور خوب صورت نین نقش والی وہ پزل پزل سی لڑکی کہیں سے بھی امریکن پلٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔ ''میری بچی......'' ماں جی وصی سے ملنے کے بعد راعبہ کی طرف بڑھیں۔ راعبہ بھی لپک کر دادی کے سینے سے لگ کر بری طرح رو دی، کچھ دیر بعد رونے دھونے کا عمل ختم ہوا۔ سب لوگ ماں جی کے کمرے میں جمع ہو گئے وصی بار بار ماں جی کا ہاتھ تھام کر چوم رہے تھے۔ تعارف کے مرحلے طے ہوئے۔ ''جاؤ بیٹی جا کر گھر دیکھو۔'' عرفانہ نے کہا تو راعبہ ربیعہ اور حریمہ کے ساتھ باہر کی طرف چل دی، عرفانہ اور تسکین کچن کی سمت بڑھ گئیں۔ ''یار کیا زبردست پرسنالٹی ہے چاچو کی۔'' طلال نے وصی کو بغور دیکھتے ہوئے باسل سے کہا۔ ''کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے بھئی؟'' وصی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ ''کہہ رہا ہوں آپ تو بڑے ڈیشنگ ہیں چاچو۔'' طلال نے صاف گوئی سے کہا تو سب لوگ ہنس دیے۔ ''بھیا! ذہاد نظر نہیں آ رہا۔'' وصی نے پوچھا۔ ''ہاں کلب جاتا ہے ناں اس ٹائم۔'' ذکی شاہ نے جواب دیا، اسی وقت تسکین بیگم نے کھانا لگ جانے کا اعلان کیا تو سب لوگ کھانے کی میز پر آ بیٹھے۔ ان لوگوں نے کھانا اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ ذہاد آ گیا۔ ''السلام علیکم۔'' بالکل سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اوئے میرا شیر آ گیا۔'' وصی ہاتھ کا نوالہ چھوڑ کر اٹھ گئے اور آگے بڑھ کر والہانہ ذہاد کو گلے لگا لیا۔ ذہاد نے کوئی خاصی گرم جوشی نہ دکھائی۔ ''السلام علیکم!'' راعبہ کی آواز پر ذہاد نے پلٹ کر دیکھا۔ ''وعلیکم السلام!'' ذہاد نے غور سے اسے دیکھا عام سے کپڑوں میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ اس کا خوب صورت اور دمکتا حسن الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ ''آؤ یار کھانا کھا لو۔'' وصی نے اسے دعوت دی۔ ''ایکسکیوزمی میں فریش ہو کر کھانا کھاتا ہوں۔'' بےزاری سے کہتا ہوا وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ راعبہ اسے غور سے دیکھتی رہی، آف وائٹ شرٹ اور گہرے ٹراؤزر میں دراز قد، اسمارٹ سا بندہ اسے سب سے الگ اور منفرد لگا جسے دیکھ کر اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ کامن روم میں جمع ہو گئے۔ ''چھوٹی بھابی اب اتنے مزے دار کھانے کے بعد آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی گرما گرم چائے ہونی چاہیے۔'' وصی نے کہا تو تسکین مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں، نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں آ گئی، جہاں راعبہ اپنا سوٹ کیس بھی لے آئی تھی اور سب کے لیے لائے ہوئے تحائف دے رہی تھی۔ ''ربیعہ بھابی! یہ آپ کے لیے۔'' خوب صورت سوٹ پیس آگے بڑھایا، ساتھ میں میچنگ جیولری بھی تھی۔ ''ارے راعبہ! اس کی کیا ضرورت تھی تم چھوٹی ہو ناں۔'' ربیعہ نے کہا۔ ''نہیں بھابی ضرورت تو تھی اس میں میرا پیار شامل ہے۔ میں آپ لوگوں سے پہلی بار مل رہی تھی اس قدر خوشی تھی مجھے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ جی بھابی! جب پاپا آپ لوگوں کی باتیں کرتے، آپ لوگوں کا ذکر کرتے تو پاپا کی آنکھیں نم ہو جاتیں اور میں خیالوں میں پاکستان پہنچ جاتی، آپ لوگوں کے درمیان آپ سب کے پاس۔ مجھے آپ تمام لوگوں کی ڈیٹ آف برتھ بھی معلوم ہے۔ تایا کی پسند، چھوٹے تایا کی پسند ناپسند، بڑی تائی اور چھوٹی تائی کی عادتیں، دادا جی اور دادو کی ایک ایک بات، ایک ایک یاد...... پاپا نے اس گھر کی ہر بات مجھ سے شیئر کی۔'' وہ آنکھیں بند کیے جذب کے عالم میں بولتی بہت معصوم لگ رہی تھی۔ حریمہ کو چائے کا کہنے والا ذہاد دروازے پر کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ ''آ جاؤ ذہاد!'' باسل کی آواز پر وہ چونکا۔ راعبہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دروازے میں کھڑے ذہاد کو دیکھا، ذہاد اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''ارے یار میرے لیے کیا لائی ہو، پہلے وہ تو نکالو اپنے بیگ سے۔'' طلال نے بےصبری دکھائی تو راعبہ مسکرا کر مزید چیزیں نکالنے لگی۔ آخر میں ذہاد کو دینے والا پیکٹ نکالا۔ ''یہ لیجیے آپ کے لیے۔'' راعبہ نے ٹی شرٹ، جینز، پرفیوم آگے بڑھایا۔ ''اور ہاں یہ چاکلیٹ بھی۔'' پرس سے چاکلیٹ کا ڈبہ نکالا۔ ''مجھے پاپا نے بتایا تھا کہ آپ کو بچپن سے چاکلیٹ پسند ہے اور پاپا جہاں بھی جاتے آپ ان سے چاکلیٹ کی فرمائش کرتے تھے۔'' ''بچپن کی بہت سی عادتیں اب بدل چکی ہیں، پسند اور ناپسند بھی۔'' ذہاد نے ایک گہری نظر اس پر ڈال کر تلخ لہجے میں کہا۔ ''اوہ......'' راعبہ کا مسکراتا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ اس کا ہاتھ آگے بڑھا رہ گیا، ذہاد کی سرد مہری سب نے محسوس کی تھی۔ ''ہاں مگر...... اب وہ لائی ہے تو لے لو۔'' باسل نے جلدی سے کہا تو ذہاد نے پیکٹ تھام لیا۔ ''تھینک یو سو مچ۔'' نارمل انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ ''حریمہ چائے بناؤ تو مجھے کمرے میں دے دینا پلیز۔'' کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ راعبہ اسے جاتا دیکھنے لگی، اس کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا تھا باقی سب لوگ کتنے خوش باش تھے اور وہ بےزار۔ ''یہ جو چھوٹے بھائی ہیں ناں ہمارے، یہ کچھ کچھ آدم بےزار ٹائپ ہیں۔ اس لیے نو ٹینشن۔'' طلال نے راعبہ کے قریب آ کر با آواز بلند سرگوشی کی۔ ''نہیں ایسی بات نہیں راعبہ! ذہاد بھائی بہت سوبر ہیں، یہ طلال کی طرح چھچھورے نہیں ہیں۔'' حریمہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلال پر چوٹ کی۔ ''محترمہ حریمہ صاحبہ! مانا کہ آپ کٹ کھنی بلی ہیں مگر...... ابھی کچھ لحاظ کر لو راعبہ پر اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کر دی تو وہ بےچاری گھبرا جائے گی۔'' طلال کہاں چپ رہنے والا تھا۔ ''تم اپنی خیر مناؤ لڑاکا بلے! کیوں کہ راعبہ اب تک تمہاری اصلیت جان چکی ہو گی۔'' حریمہ نے بھی جل کر قرضہ اتارا۔ ''اف اوہ تم دونوں نے تو چپ رہنا سیکھا ہی نہیں۔'' ربیعہ نے دونوں کو بری طرح گھورا، راعبہ لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ سجائے ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ''خاموش ہو جاؤ تم دونوں اور دور دور ہو کر بیٹھو۔ ہر وقت بک بک چلتی رہتی ہے دونوں کی چپ ہونا تو جیسے گناہ ہے۔ بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہو۔'' ربیعہ نے دونوں کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔ ''بھابی پلیز...... لڑنے دیں ناں انہیں، مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے یہ سب کچھ، یہ محبت، یہ پیار بھرے جھگڑے، یہ نوک جھونک، میں نے ایک طویل عمر تنہائی میں گزاری ہے۔ میں ترسی ہوئی ہوں ایسی لڑائیوں کے لیے، ایسی باتیں، ایسی چاہت...... یہ سب کچھ میرے لیے ایک خواب جیسا تھا۔ ایسا خواب جو میں ہر رات سوتے میں دیکھتی اور...... اور جب میری آنکھ کھلتی تو میں ہوتی اور میرا کمرا۔'' راعبہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''بس میری جان!'' ربیعہ نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے صاف کیں۔ ''جو گزر گیا وہ گزر گیا وہ تمہارے ماضی کا حصہ تھا جو اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اب ان شاء اللہ آگے صرف اور صرف خوشیاں ہوں گی، محبتیں ہوں گی، ہم سب کا ساتھ ہو گا۔ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے، تم سے تمہارا ماضی چھین لیں گے۔'' ربیعہ نے راعبہ کو گلے لگا کر سچائی سے کہا تو راعبہ مسکرا دی۔ ''خدا کا شکر ہے کہ میں اتنے پیارے اور سچے چاہنے والوں کے درمیان آ گئی۔'' وہ سوچنے لگی۔ دوسری صبح راعبہ حسب معمول نماز فجر ادا کرنے لان میں چلی آئی، ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر ننگے پاؤں چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ گلاب کی کیاری کے پاس آ گئی، گلاب کے کھلے ہوئے بڑے بڑے پھول کی قریب جا کر پھول کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ کسی مصور کے شاہکار سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی اسی وقت ذہاد نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکایا اور لان کی طرف دیکھا، لائٹ گرین سوٹ پر سفید دوپٹہ سر سے لپیٹے وہ کوئی معصوم سی اپسرا لگ رہی تھی، ذہاد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ وصی ذہاد سے جتنی بات کرنے کی کوشش کرتے بےتکلف ہوتے، ذہاد اتنا ہی لیے دیے رہتا، وصی کو لگتا کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدہ اور سوبر ہو گیا ہے۔ دادو کا فیصلہ تھا کہ وصی کے آنے کی خوشی میں گھر میں بڑی خوشی کا اہتمام ہونا چاہیے اور سب کے مشترکہ فیصلے کے بعد یہ طے پایا کہ طلال اور حریمہ کی شادی کر دی جائے۔ ''لو بھئی بڑوں نے مکمل ذبح کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، پہلے تو صرف کھونٹے سے باندھا تھا اور اب...... اب تو چھری پھیرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ چھری بھی اُف...... اتنی تیز اور تند دھار کی ہے حریمہ نام کی۔'' طلال راعبہ کے سامنے مسکین اور معصوم شکل بنائے فریاد کر رہا تھا اور راعبہ کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ ''شکر کرو ابھی حریمہ نہیں ہے ورنہ اسی وقت تمہیں ذبح کر ڈالتی۔'' ''یار بڑا مزا آئے گا، میں بھی دیکھوں گی پاکستانی شادی، بڑے مزے مزے کی رسمیں ہوتی ہیں۔'' راعبہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی، معصومیت سے تالیاں بجاتی اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی اور دور بیٹھا ذہاد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ شادی کی تاریخ طے ہوئی اور زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں، دادو نے خاص طور پر راعبہ کے لیے خوب کامدار اور جھلمل کپڑے بنوائے تھے۔ راعبہ بہت خوش تھی اور خوب شاپنگ کر رہی تھی، وصی نے راعبہ کو اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ دل سے راعبہ کے لیے دعا مانگتے، ایسے میں انہیں ذامیہ کی یاد آ جاتی اگر وہ بھی ہوتی تو کس قدر خوش ہوتی۔ یوں اپنوں کے درمیان رہنے کی تو اس کی بھی خواہش تھی، وہ بھی پاکستان آنا چاہتی تھی مگر...... خدا کی مرضی کے آگے ہم سب بےبس اور لاچار ہیں، وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتے۔ طلال سے حریمہ کا پردہ کرا دیا گیا، طلال بہانوں سے کتنے چکر لگاتا مگر ہر بار راعبہ ایک مستند اور ایماندار واچ مین کی طرح اپنی ڈیوٹی فرض شناسی اور ایمان داری سے پوری کرتی ہوئی ملتی اور طلال منہ لٹکا کر لوٹ جاتا۔ ''چھوٹے بھائی اب آپ بھی اپنے بارے میں کچھ سوچیے۔ چھوٹا بھائی بھی گھر بسانے جا رہا ہے۔'' جب سب اکٹھے ہوتے تو طلال ذہاد کو چھیڑتا۔ ''تو فکر نہ کر یار اس کے لیے بھی میں نے سوچ لیا ہے۔'' باسل طلال کے کاندھے پر ہاتھ مار کر اسے تسلی دیتا تو ذہاد زیر لب مسکرا دیتا اور راعبہ کا دل دھڑک کر رہ جاتا۔ جانے کیوں راعبہ کو ذہاد اچھا لگنے لگا تھا، اس کی سنجیدگی، بردباری راعبہ کے دل میں جگہ بنانے لگی تھی، وہ سب سے الگ اور منفرد تھا۔ رسم مایوں بہت شاندار طریقے سے ادا ہوئی، دلہا دلہن کو ساتھ بٹھا کر رسومات ادا کی گئیں۔ طلال کے دوستوں اور حریمہ کی سہیلیوں نے خوب ہنگامے کیے کیمرے اور موویز کی لائٹیں ایک ایک لمحے کو قید کرتی رہیں۔ اللہ اللہ کر کے یہ تقریب ختم ہوئی تو سب نے رت جگے کا پروگرام بنایا، اپٹن کھیلا، مہندی لگی اور راعبہ ایک ایک لمحے کو دل کھول کر انجوائے کرتی رہی، راعبہ طلال کو اپٹن لگانے کے لیے اس کے پیچھے دوڑی۔ طلال تو کمرے کے اندر بھاگ گیا لیکن اسی وقت دوسرے کمرے سے ذہاد نکلا، راعبہ کے دونوں ہاتھوں میں اپٹن بھرا ہوا تھا اس کی رفتار اتنی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو نہ روک پائی اور اپٹن سے بھرے دونوں ہاتھ ذہاد کے سفید براق کرتے پر پوری طاقت سے چھپ گئے۔ ''اوہ نو......'' ذہاد اس اچانک افتاد پر تپ سا ہو گیا۔ ''کیا ہے یہ سب؟ بچوں کی طرح بھاگتی پھر رہی ہو؟ کوئی طریقہ ہے کہ نہیں...... ستیاناس کر ڈالا تم نے، حد ہوتی ہے......'' ''اوہ سوری...... میں تو طلال......'' اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اپنی بےعزتی پر شرم کی مارے وہ زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اچانک سے ذہاد آ جائے گا۔ ''سوری اگین......'' وہ سر جھکائے شرمساری سے کھڑی تھی، ذہاد کو خود بھی اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا، اسے لگا کہ اس نے کچھ زیادہ ہی کہہ دیا ہے۔ ''اٹس اوکے۔'' کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ ''کیا ہو گیا......؟'' طلال آ گیا تھا، راعبہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ ''او یار! آئی ایم سوری...... میری وجہ سے تمہیں اس ہٹلر خان کی باتیں سننی پڑیں۔'' وہ شرمندگی سے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا، ہٹلر خان پر راعبہ کو بےساختہ ہنسی آ گئی۔ ''ڈونٹ وری یار! وہ ایسے ہی ہیں، تم ٹینشن نہ لو۔ انجوائے کرو، لو میرا حسین چہرہ تمہارے سامنے ہے دل بھر کے اپٹن لگا دو۔'' طلال نے پل میں ہی اس کا موڈ بدل دیا اور اس نے ہنستے ہوئے بچا کچھا سارا اپٹن طلال کے چہرے پر مل دیا۔ ساری پارٹی بڑے کمرے میں جمع تھی اور محفل موسیقی کا اہتمام کیا جا رہا تھا، جہاں گھر کے سارے بےسرے اپنا اپنا ٹیلنٹ پیش کرنے جمع تھے، صبح چار بجے یہ بےسری محفل اختتام کو پہنچی۔ دوسرے دن شادی تھی صبح سے ہی گھر میں ہنگامہ تھا سب کو اپنے اپنے کپڑوں کی فکر تھی، ذکی شاہ اور نقی شاہ کو خواتین سے پرابلم تھی کہ وہ ٹائم پر تیار نہیں ہوں گی۔ دادو کو صدقے کے بکروں کی فکر تھی۔ ربیعہ اور حریمہ کو پارلر جانے کی جلدی تھی جبکہ راعبہ نے گھر میں تیار ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ راعبہ جب تیار ہو کر آئی تو ذہاد دیکھتا ہی رہ گیا۔ میرون اور فان کنٹراسٹ کا شفون جارجٹ کا کام والا دوپٹہ بڑے اسٹائل سے اوڑھے، گلے میں چھوٹا سا میرون نگینوں والا گلوبند اور اس کے ساتھ کے ہی چھوٹے چھوٹے جھمکے، لمبے سیاہ بالوں میں میرون اور فان پراندہ ڈالے وہ بہت حسین لگ رہی تھی، وہ واقعی بہت حسین تھی۔ حریمہ کو رخصت ہو کر ایک پورشن سے دوسرے پورشن جانا تھا جہاں پر عرفانہ نے اس کا اور طلال کا صدقہ اتارا، رسومات کے بعد حریمہ کو کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ طلال جانے لگا تو ربیعہ اور راعبہ نے اسے دروازے پر روک لیا۔ ''یا وحشت! اب کیا مسئلہ ہے پہلے ہی بندہ تھکا ہارا ہے اوپر سے یہ ظلم بھی ہونا ہے۔'' طلال نے کہا۔ ''ہاں جی! یہ رسم ہے تم کو ہم دونوں کو ڈھیر سارے پیسے دینے ہوں گے تب ہی تم اندر جا سکو گے۔'' ربیعہ نے اکڑ کر کہا۔ ''واہ جی واہ، ایک تو معصوم پہلے ہی ڈپریشن کا شکار ہے اور یہ فضول رسمیں ابھی باقی ہیں۔'' طلال نے منہ بنایا۔ ''ہاں جی یہ تو ہو گا ہی آپ ڈپریشن کا شکار ہوں یا ٹینشن کا۔'' راعبہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ ''اچھا بھئی۔'' طلال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور راعبہ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ''اب جاؤں میں، بےچاری اکیلی ہے ناں؟'' طلال نے ربیعہ کے قریب آ کر حریمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔ ''ارے نہیں جی! اکیلی کہاں؟ ہم ہیں ناں اسے کمپنی دیں گے۔'' راعبہ نے شرارت سے کہتے ہوئے راستہ چھوڑا اور ربیعہ کا ہاتھ پکڑ کر بجائے کمرے سے باہر جانے کے اندر چلی آئی اور حریمہ کے اردگرد دونوں بیٹھ گئیں۔ ''اف......'' طلال سر تھام کر بیڈ کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب یہ بھی برداشت کرنا ہو گا، حریمہ کی جانب بےبسی سے دیکھتا ہوا سر کھجانے لگا۔ ربیعہ اور راعبہ وہیں بیٹھی رہیں اور طلال بیٹھا جمائیاں لیتا رہا اس کی حالت سے ربیعہ اور راعبہ محظوظ ہوتے رہے بلکہ حریمہ دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔ ''طلال اگر تمہیں نیند آ رہی ہے تو سو جاؤ۔'' ربیعہ نے شرارت سے کہا۔ ''جی جی اب سونا ہی ہے۔'' طلال نے بےچارگی سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ''مگر کچھ شریف لوگ اگر مجھے بیڈ کے کونے پر مختصر سی جگہ دے دیں تو میں کم از کم سو ہی جاؤں۔'' اس کی بات پر ربیعہ اور راعبہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں، حریمہ کو بھی ہنسی آ گئی۔ ''بھابی چلیں اب چلتے ہیں۔'' بالآخر راعبہ کو ان دونوں پر ترس آ ہی گیا۔ ''خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' ربیعہ نے جاتے جاتے حریمہ کا ہاتھ چوم کر دعا دی۔ ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' ان کے جانے کے بعد طلال نے دوڑ کر دروازہ بند کیا، اس کی عجلت اور بےتابی پر حریمہ زور سے ہنس دی۔ ''ہاں ہاں تم بھی اڑاؤ مذاق...... جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔'' حریمہ کی گود میں سر رکھ کر وہ شرارتی انداز میں بولا تو حریمہ جھینپ گئی۔ شادی کے ہنگامے کچھ سرد پڑے تو وصی نے ماں جی سے کہا کہ وہ ایسے ہی عجلت میں آ گئے ہیں اس لیے امریکہ جا کر سب سیٹ کر کے مستقل آ جائیں گے۔ ''ٹھیک ہے تم جلدی سے واپس آ جاؤ تو پھر راعبہ کے متعلق کچھ سوچیں گے۔'' ماں جی نے کہا۔ ''جی کیا مطلب؟'' وصی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔ ''دراصل ہم نے سوچا ہے کہ ذہاد اور راعبہ کی بات بھی طے کر دی جائے۔'' عرفانہ نے کہا تو وصی یکدم خوش ہو گئے۔ ''ارے بھابی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' دروازے کے باہر کھڑی ربیعہ نے سنا تو خوشی سے بےقابو ہو کر بھاگی اور پھر کچھ دیر بعد ہی ان کے درمیان کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ ''نہیں بھابی......'' راعبہ کو معلوم ہوا تو بےساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیوں...... تمہیں ذہاد پسند نہیں؟'' ربیعہ کو اس کا یوں منع کرنا عجیب سا لگا۔ ''نہیں بھابی! ایسی بات نہیں ہے وہ تو بہت اچھے ہیں مگر...... مگر......'' راعبہ رک گئی۔ ''مگر کیا......؟'' حریمہ نے جلدی سے پوچھا۔ ''مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔'' اپنی معصوم آنکھوں کو قدرے پھیلا کر اپنا خدشہ بیان کیا۔ ''ارے پاگل......'' ربیعہ اور حریمہ اس کی بات پر زور سے ہنس دیے۔ ''ایسی کوئی بات نہیں، لونگ اور کیئرنگ ہے وہ۔ بس ذرا سوبر ہے بچپن سے ہی وہ عام بچوں سے الگ سوبر اور سنجیدہ ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ ذہاد بھیا تم کو کھا جائیں۔'' حریمہ نے پُرمزاح انداز میں کہا تو راعبہ سر جھکا کر رہ گئی۔ ''ویسے ذہاد بہت پیارا بندہ ہے اور تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔'' ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے ایک بات کہوں؟'' پھر ایک لمحے رکی اور شرارت سے پوچھا۔ ''جی بولیں۔'' راعبہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''ہم نے تو اڑتی چڑیا کے پر پہلے ہی گن لیے تھے جناب! ہمیں پتا ہے کہ تمہیں ذہاد اچھا لگتا ہے اور اس کے لیے تمہارے دل میں بہت خوب صورت سے جذبے موجود ہیں، کیوں غلط کہا؟'' ربیعہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ ''بھابی پلیز!'' راعبہ شرما کر ربیعہ کے سینے سے لگ گئی، بہت خوب صورت اقرار تھا۔ رات کو ذہاد کلب سے لوٹا تو ہر کوئی اسے بڑے معنی خیز انداز میں دیکھ رہا تھا، طلال نے تو کئی بار کھنکھار کر اپنا گلہ بھی صاف کیا تھا، ذہاد کاندھے اچکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد عرفانہ اس کے کمرے میں آ گئیں۔ ''آئیے امی جی، کیا ہوا؟'' اس نے عرفانہ کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ ''کچھ بات کرنی تھی تم سے؟'' عرفانہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔ ''جی بولیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔ ''ہم سب کا خیال ہے کہ تمہاری اور راعبہ کی شادی کر دی جائے۔'' عرفانہ نے کہا تو ذہاد کرسی سے اچھل پڑا۔ ''کیا......؟ نہیں امی جی۔'' بےساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔ ''دیکھو ذہاد جو کچھ بھی ہو گا تمہارے فیصلے سے ہو گا اگر تم چاہو تو ایسا ہو گا ورنہ نہیں کیوں کہ ہم سب نے ایک بار یہ غلطی کر کے اس کی سزا بیس سال بھگت لی ہے اور اب مزید برداشت کرنے کی ہمت ہے نہ طاقت۔'' عرفانہ کا لہجہ آبدیدہ ہو گیا، ذہاد نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور اپنی ماں کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا اور ایک لمحے میں ہی ذہاد نے بہت کچھ سوچ لیا، اس کے ذہن میں گزرے واقعات کی جھلک تازہ ہو چکی تھی اور اسی لمحے اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔ ''امی جی! ایسی بات نہیں ہے مجھے آپ لوگوں کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ میں...... میں راعبہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔'' اس کا لہجہ اٹل اور فیصلہ کن تھا اور لہجے میں گمبھیرتا نمایاں تھی۔ عرفانہ خوش ہو گئیں آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ وصی بھی مطمئن ہو گئے تو ایک ماہ کے لیے امریکہ چلے گئے۔ ماں جی بھی پرسکون ہو گئی تھیں اس روز ذہاد شام کو آفس سے لوٹا تو دادو نے اسے کمرے میں بلوایا، راعبہ بھی وہیں تھی۔ ذہاد آیا تو راعبہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ذہاد نے غور سے اسے دیکھا واقعی وہ چاہے جانے کے قابل تھی۔ ''ادھر بیٹھو بچے!'' دادو نے اسے قریب بٹھایا۔ ''ایک بات بتاؤ؟'' دادو نے کہا۔ ''جی......'' راعبہ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔ ''تو خوش تو ہے ناں ہمارے فیصلے سے؟'' دادو نے اس سے پوچھا۔ ''جی دادو! میں بہت خوش ہوں۔'' وہ قدرے زور سے بولا، دروازے سے نکلتی راعبہ نے سنا تو اسے ڈھیروں سکون ملا۔ ایک خدشہ جو اسے تنگ کرتا تھا، وہ دور ہو گیا تھا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ وصی کے لوٹ آنے تک شادی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، دادو چاہتی تھیں جلد ہی اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں کیونکہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اپنی زندگی کی طرف سے مایوس ہو چکی تھیں۔ تابندہ کو بھی بتا دیا گیا تھا وہ بھی اس رشتے پر خوش تھیں۔ گھر میں خوش گوار سی ہلچل تھی، وصی بھی دل کھول کر ارمان نکالنا چاہتے تھے ایک ہی بیٹی تھی جو کچھ تھا اس کا ہی تھا اور پھر اس کو جانا بھی کہاں تھا اپنے ہی گھر سے رخصت ہو کر اپنے ہی گھر میں رہنا تھا۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے تابندہ بھی اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ آ گئیں، وصی کو تابندہ سے مل کر ندامت کا احساس ہوا مگر تابندہ نہایت خوش دلی اور نارمل طریقے سے ملیں۔ تابندہ کے شوہر صبیح وصی کے اچھے دوست تھے۔ تابندہ بڑھ چڑھ کر شادی کے ہنگاموں میں حصہ لیتی رہیں، ذہاد تابندہ سے ملتا تو اسے لگا جیسے تابندہ جان بوجھ کر خوش رہنے کی کوشش کرتی ہیں ورنہ وہ اندر سے خوش نہیں ہیں۔ وہ سارا ڈرامہ کرتی ہے، ذہاد کو اپنی معصوم خالہ پر بہت ترس آتا تھا، ساری زندگی دوہرے پن میں گزار دی تھی۔ آج بھی بظاہر خوش رہنے کی کوشش کرتیں مگر اندر سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ذہاد کے دل میں کوئی پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔ مختلف رسمیں ہوئیں اور آخرکار راعبہ اور ذہاد کی شادی کا دن بھی آ گیا۔ راعبہ دل میں بےشمار خوب صورت جذبات سجائے بنارسی گوٹے کے بھاری کام کے شرارے میں ذہاد کی منتظر بیٹھی تھی۔ ربیعہ اور حریمہ نے تو اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر رکھا۔ ربیعہ کی بےباک باتوں پر راعبہ شرم سے سرخ پڑ جاتی۔ اسے حریمہ مختلف ٹپس دیتی رہی۔ وہ ان دونوں کی باتوں پر جھینپ رہی تھی۔ ''اچھا بھئی چلو اب ہم چلتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ کے میاں جی آ کر ہمیں ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیں۔'' ربیعہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں سچ میں ذہاد بھائی سے کوئی بعید بھی نہیں ہے۔'' حریمہ نے بھی شرارت سے کہا تو راعبہ زیر لب مسکرا دی۔ راعبہ نے طویل سانس لے کر خود کو سامنے لگے بڑے سے آئینے میں دیکھا، سرخ بھاری کامدار شرارہ، خوب صورت میک اپ، نفیس اور بیش قیمت جیولری میں ہمیشہ سادہ رہنے والی راعبہ غضب ڈھا رہی تھی، حیا سے اس کی پلکیں جھکنے لگی تھیں۔ ذہاد اور اس کے قرب کے تصور سے اس پر عجیب سی بےخودی چھانے لگی تھی، خود پر ناز اس بھی تھی کہ اتنا پیارا سسرال اور ذہاد جیسا خوب صورت بندے کا ساتھ۔ وہ آپ ہی آپ مسکرانے لگی تب ہی دھیرے سے دروازہ کھلا اور ذہاد اندر آیا۔ راعبہ کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں اور اس کے پیروں پر جا ٹکیں، خوب صورت سرخ و سفید پیروں میں میچنگ میرون کھسہ اس کی نظروں کی زد میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور راعبہ کا سر مزید جھک گیا اور دل کی دھڑکنیں بےقابو ہونے لگیں۔ اس کی سماعتیں ذہاد کے لبوں سے نکلنے والے خوب صورت جملوں کی منتظر تھیں، اس کے نرم و ملائم نازک حنائی ہاتھ ذہاد کے گرم اور مضبوط ہاتھوں کے لمس کے طالب تھے۔ دل میں مچلنے والے بےشمار خوب صورت جذبات کو سنبھالے وہ ذہاد کے مخاطب کرنے کی منتظر تھی۔ ''محترمہ راعبہ بنت وصی شاہ!'' اتنے اجنبی اور بےتکے انداز مخاطب پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ''آپ جس لہجے اور رویے کی منتظر ہیں، جس سلوک کا آپ کو انتظار ہے وہ آپ کو کبھی بھی نہیں ملے گا۔'' ''جی...... جی...... یہ کیا مذاق ہے...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں بےیقینی تھی۔ ''جی محترمہ راعبہ صاحبہ! آپ مجھ سے کسی قسم کے خوش گوار تعلق کی قطعاً امید مت رکھیں اور یہ غلط فہمی بھی اپنے دل و دماغ سے نکال دیں کہ آپ سے شادی میں میری پسند یا آپ کی ذات سے دلچسپی کا کوئی عنصر ہے یا میں آپ کو محبت اور وہ مقام دوں گا جس کی آپ متمنی ہیں۔ ایسا تو کبھی مر کر بھی نہیں ہو سکتا۔'' اس کے لہجے میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی بمشکل اپنے حواسوں پر قابو پا کر سراپا سوال تھی۔ ''بات تو کڑوی ہے مگر...... سچ اور حقیقت یہ ہی ہے کہ مجھے تم سے اور تمہارے باپ سے نفرت ہے...... شدید نفرت...... تمہارا باپ قاتل ہے میرے دادا جی کا...... وہ قاتل ہے میری معصوم اور بھولی بھالی خالہ کے ارمانوں کا...... اس کے جذبات کا، اس کی برسوں کی چاہنے والی محبت کا، میری ماں کی خواہشات کا قتل کیا ہے تمہارے باپ نے، جس نے ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا۔ میں نہیں بھول سکتا وہ بھیانک اور قاتل رات جس میں دادا جی ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ نہیں بھول سکتا تابندہ خالہ کی سسکیاں...... ان کی وہ ویران آنکھیں اور اس میں بسے تمہارے باپ کی سنگت کے ادھورے سپنوں کو...... آج بھی میری سماعتوں میں تابندہ خالہ کی دبی دبی سسکیاں گونجتی ہیں۔ کیسے بھلا دوں میں وہ منظر جب میرے دادا جی جنہوں نے ہمیشہ شان دار نوابوں والی زندگی گزاری تھی لیکن جب انہوں نے مرتے وقت اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر اپنی بہو سے معافی مانگی تھی، تمہارے باپ کے گناہ کی معافی انہوں نے مانگی تھی...... اس وقت ان کی آنکھوں میں جو بےبسی، بےچارگی اور شرمندگی تھی...... وہ آج بھی میری نظروں میں محفوظ ہے اور پھر میری دادو کے سر پر سفید چادر وہ بھی تمہارے باپ کی وجہ سے آئی اور آج...... آج تم اسی باپ کی بیٹی بڑے مان اور چاؤ کے ساتھ بڑے ارمانوں کے ساتھ میری سیج سجانے آئی ہو تو کان کھول کر سن لو تم کبھی بھی میرا پیار، میرا ساتھ اور میری قربت کو نہیں پا سکو گی۔ میں نے تم سے شادی کی تو صرف اس لیے کہ تمہیں احساس دلا سکوں کہ جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔ جب دل پر زخم لگتے ہیں تو کتنی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ میں تمہارے لیے صرف ایک پتھر ہوں جس پر تم سر پھوڑ سکتی ہو لیکن یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے درد کے، تکلیف اور زخم کے۔ تم بھی تڑپو گی میری خالہ کی طرح، تم جتنا تڑپو گی مجھے اتنا سکون ملے گا جو آگ تمہارے باپ نے برسوں پہلے لگائی تھی آج سے اس آگ میں تم جلو گی۔ اپنے باپ کا بویا تمہیں کاٹنا ہو گا۔'' وہ لفظوں کے نشتر زہر میں ڈبو ڈبو کر اس کے سینے میں اتار رہا تھا اور راعبہ آنکھیں پھاڑے دکھ اور حیرت کی مجسم تصویر بنی اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ کتنا زہر تھا اس کے اندر جو وہ اگلتا جا رہا تھا۔ کتنی نفرت چھپا رکھی تھی اس نے پاپا کے لیے، کتنی سفاکی اور سختی تھی اس کے لہجے میں کتنے شعلے برس رہے تھے اس کے الفاظ میں۔ ''مگر...... مگر تابندہ خالہ کی تو شادی ہو گئی۔'' اس کے کانپتے لبوں سے بمشکل نکلا۔ ''ہاں ہو گئی شادی...... میری خالہ حسین تھیں، نیک تھیں، سلیقہ شعار اور معصوم تھیں تو کیوں نہ ہوتی ان کی شادی اگر تمہارے باپ نے ان کی قدر نہ کی تو کیا وہ ساری عمر بیٹھی رہتیں لیکن میں جانتا ہوں میری خالہ کے دل و دماغ پر صرف وصی شاہ کا نام تھا۔ بچپن سے ان کو وصی شاہ کے نام سے جوڑ دیا گیا تھا اور وہ اسی نام کے ساتھ جیتی رہی تھیں۔ وہ ان کے لیے تڑپتی تھیں، تمہارے باپ کے لیے راتوں کو میں نے خالہ کو سسکتے دیکھا ہے اور اب تم...... تم تڑپو گی میری چاہت کے لیے، میری قربت اور ایک نگاہ التفات کے لیے لیکن تمہیں یہاں سے کچھ نہیں ملے گا سوائے نفرت، حقارت، بےاعتنائی کے۔'' راعبہ اس کے زہر آلود جملوں کو اپنے اندر اتار رہی تھی اس کی خوب صورت آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ کیسا سچ اگل رہا تھا وہ، کتنا زہر بھرا ہوا تھا اس کے اندر وصی شاہ کے لیے کتنی نفرت، کتنا کینہ۔ ''ذہاد پلیز...... جو ہوا وہ بھول جائیں، دیکھیں تو پاپا خود بھی کتنے دکھی ہیں اور...... اور سارے معاملے میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ ملتجی تھی۔ ''تمہارا قصور...... تمہارا قصور یہ ہے کہ تم وصی شاہ کی بیٹی ہو۔ قصور تو میری خالہ کا بھی نہیں تھا ان کو کس بات کی سزا ملی؟ انہیں کیوں ٹھکرایا گیا؟ اٹھو چلو چینج کرو مجھے وحشت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر۔'' بات ختم کر کے وہ اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ حقارت سے بولا۔ راعبہ بےبسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ ''اور ہاں......'' اس نے جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر اس کی طرف اچھالی۔ ''یہ لو میری امی جی نے خاص طور پر دیا ہے...... یہ ڈال لو اپنے ہاتھوں میں خبردار جو اسے اتارا۔'' خوب صورت جڑاؤ کنگن تھے اسے بےتحاشہ رونا آ گیا۔ منہ دکھائی میں یہ بھیک ملی تھی اسے اور ساتھ ہی زہر بجھے جملے، دکھ، تذلیل اور بےعزتی بھی...... ڈبیہ پھینک کر اپنے کپڑے اٹھا کر وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ راعبہ اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ اتنا خوب صورت اور ہینڈسم انسان اور اندر سے اتنا سفاک، بےرحم بھی ہو سکتا ہے یہ سب کیا ہو گیا ہے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں جیسے ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی ہو سکتا ہے، کئی برس پہلے ہونے والا واقعہ اس کے پاپا کی ایک

﴿باقی پہلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شاعری انچارج
آصف جاوید زاہد: 0304-6552827
منظور اکبر تبسم: 0345-3487779

**داستانِ دل کے اوفیشل گروپ میں شاعری مقابلہ کا فائنل رزلٹ**
**نوٹ: اگر آپ بھی اس مقابلہ کا حصہ بننا چاہتے ہیں تو فیس بک پر ہمیں جوائن کریں ہماری فیس بک: 03377017753**

### شاعری مقابلہ پہلی پوزیشن تھی آسیب زادی کی

وہ کہتا ہے سنو ایمن
میرے دل کی تمنا ہے
کہ اب جو عید میں آؤ
پہننا زرد رنگ جوڑا
تمہارے حسن کو یہ زرد رنگ
تکمیل بخشے گا
میں کہتی ہوں میرے دلبر
ذرا ٹھہرو
ذرا سوچو
بڑے ہی زرد چہرے
زرد آنکھیں
میں نے دیکھی ہیں
یہ میرے ملک میں
ایک ایسا گوشہ بھی ہے
کہ جس میں
ہزاروں لوگ غربت سے
قحط سالی سے مرتے ہیں
ذرا ایک پل کو تو سوچو
جہاں پر پیٹ کی دوزخ کو بھرنے کو
نوالہ بھی نہیں ملتا
جہاں پر پیاس کی شدت سے مرتے
زرد چہروں کی پکاریں
نا سنی جائیں۔۔۔
وہاں پر عید کیسی ہو؟
(سیدہ ایمن)

### دوسری پوزیشن ہے اپچ۔ زیڈ ہادی کی

میرا بچپن بہت سنہرا تھا
ہر عید پہ خوشیوں کو پہرا تھا
ہر عید پہ میرے بابا جانی
گڑیا میری لاتے تھے
میں خوشی سے کھل مل جاتی تھی
وہ دیکھ کر مجھے مسکراتے تھے
ہر عید پہ سکھیاں میری
پاس میرے جب آتی تھیں
میری گڑیا، کھلونے کپڑے سب
بڑے مان سے ان کو دکھاتی تھی
میرے سارے سپنے پھوٹ گئے
میرے بابا مجھ سے روٹھ گئے
اب کون گڑیا لائے میری
اب عید کب مجھ کو بھاتی ہے
بس یاد بابا کی آتی ہے
وہ ایسے روٹھے، ہم منا نہ سکے
یہ عید تو لوٹ کر آگئی
میرے بابا واپس نہ آسکے

### تیسری نمبر پر ہیں فرح بھٹو

اس عید پر جو تیری دید ہو جائے
باخدا میری بھی عید ہو جائے
پہنوں جو گجرا تیرے ہاتھوں سے
میری یہ عید سعید ہو جائے
تو میری وصل کی خواہش کرے
اور یہ خواہش شدید ہو جائے
ہم دونوں ساتھ عمر بھر رہیں
ہجر درمیاں یوں ناپید ہو جائے
ہر رات ہو شب برات جیسی فرح
اور ہر دن تیرے سنگ عید ہو جائے
(فرح بھٹو: حیدرآباد)

### چوتھی پوزیشن پر ہیں انی طارق

ہلچل سی سن کر لگتا ہے عید آئی ہے
سنگ اپنے خوشیوں کے سندیس لائی ہے
مضطرب چہرے ہیں افلاس زدہ اجسام
بن کر حسرت کئی گھروں میں جھلملائی ہے
ٹوٹی بکھری یادیں کومل سی مسکراہٹیں
بھولی بسری خوبصورت سی فریادیں لائی ہے
لہو رنگ سسکتے بلکتے میرے وطن میں
جلا کر دیپ، امید کی نئی کرن لائی ہے
دیکھو تو نگر میں پھر سے عید آئی ہے
ہلچل سی سن کر لگتا ہے پھر عید آئی ہے

### پانچویں نمبر پر ہیں اقصی

کہا تھا تم نے جاناں
کہ اب کے برس
ضرور لوٹ آؤ گے
لیکن دیکھو اس عید بھی
تمہارے انتظار کی پیراہن اوڑھے
میں تمہاری واپسی کی منتظر ہوں
وہ جو محو رقص رہتی تھیں ہمہ وقت
محبت کی خوش رنگ تتلیاں
وہ سبھی مرجھاتی چلی جا رہی ہیں
سانسوں کی ڈور جو جڑی تھی
اک بے نام آس سے کہ
اب تو وہ آس بھی
دم توڑتی چلی جا رہی ہے
لیکن پھر بھی جاناں
میں نے تمہارے انتظار کی افشاں سے
اپنی مانگ کو سجا رکھا ہے
اپنی بے نور آنکھوں میں
تمہاری یاد کا کاجل لگا رکھا ہے
اب تو لوٹ آؤ کہ
تمہاری دید سے ہی میری عید ہے
(اقصی سحر)

### اور چھٹے نمبر پر ہیں مروئی

گئے بیت اب دن مہینے سال اور برسوں
تم ہم کو یاد تو کرتے ہمیں آواز تو دیتے
رہے ہم منتظر برسوں تمہارے اک اشارے کے
اب آنکھوں میں تمہاری دید کے آنسو چمکتے ہیں
زمین کا چاند ہو تم آسماں سے تم کو کیا لے نا
چلے آؤ کہ اس عید پر دل صاف کرتے ہیں
چلو اب یوں ادھوری چھوڑ دیں یہ داستانِ دل
گلے شکوے کریں گے پھر، ابھی تو عید باقی ہے

### نظم

جی اداس ہے کچھ ایسے
ٹوٹے ہوں دو دل جیسے
بات چھیڑی اس نے کچھ ایسے
جھلمل کرتے آنسو بہتے ہیں جیسے
کچی عمر کی ہوں پکی یادیں
کہانی ہیں کاجل آنکھیں کچھ باتیں
روٹھ کر منا لیتا ہے وہ
اداس دل کو سنبھال لیتا ہے وہ
بس یہی بات من کو بھائے میرے
ساتھ اس کا ہو
دیدار اس کو ہو
(عنبرین اختر لاہور)

### نظم

سنو!
اے جانِ جاں،
اس برس بھی کیا عید پہ آؤ گی تم،
وہ چاند سا چہرہ، وہ گھنی زلفیں
وہ مہندی بھرے ہاتھ
اور ان ہاتھوں پہ لکھا میرا نام،
اب بھی کیا چھپاؤ گی تم،
وہ گھنٹوں میرا انتظار کرنا
وہ تمہاری اداس آنکھیں
وہ گھنی بھیگی پلکوں پر تیرتے موتی
میری جان،
تم کہتی ہو نہ کہ
تمہارے بغیر میری کیا عید،
میں کیا خوشیاں مناؤں،
تو میری جان میں کب تمہارے بنا
رہ سکتا ہوں،
سنو! اداس نہ ہونا
اگلی عید ہم مل کر منائیں گے انشاءاللہ
(اسد الرحمٰن شور کوٹ شہر)
0323:6782866

### عید نظم

اب کی بار عید پہ مہندی لگاؤ
تب مجھے یاد کرنا
ملنے جاؤ سہیلیوں سے اپنی
تب مجھے یاد کرنا
جلا کے چراغ اک عید پر
چوکھٹ پہ اپنی رکھنا
بجھ جائے اگر ہوا سے
تب مجھے یاد کرنا
کھولو گی جب ریشمی بالوں کو عید کے دن
جب سنوارے گا نہ کوئی تمہارے بال
تب مجھے یاد کرنا
بھلائے بیٹھی ہو سب کچھ
اس دنیا داری میں
لو آ گئی عید پھر سے
اب مجھے یاد کرنا
شیراز احمد ساحر۔ چشتیاں
0301-4687451

مجھ پر ستم ڈھا گئے میری ہی غزل کے اشعار
وہ پڑھ پڑھ کے کھو گئے کسی اور کے خیال میں
عاطف جان منڈی احمد آباد
☆☆☆☆
خود کو میرے ہی دل میں چھوڑ گئے ہو جانی
تم کو تو اچھی طرح بچھڑنا بھی نہیں آتا
کاشف خان منڈی احمد آباد
☆☆☆☆
ہم چپ ہیں تو چپ ہی رہے دو ہمیں
اگر ہم ضد پہ آئے تو زمانے سے چھین لیں گے تمہیں
ماہی چوہدری بورے والا
☆☆☆☆
یہ نہ کہہ کہ سب مقدر کی بات ہے جگر
میری بربادیوں میں تیرا ہاتھ شامل ہے
احمد بھائی آف لاہور
☆☆☆☆
لوٹ آ تیرے جانے سے سب بہاریں لوٹ گئیں
اب تو پیار ہی بچا ہے تجھے یاد کرنے کے لیے ساقی
مستی گروپ لاہور
☆☆☆☆
بنا لو اسے اپنا جو تمہیں چاہتا ہو ہادی
خدا کی قسم بڑی مشکل سے ملا کرتے ہیں چاہنے والے
افضل آزار
☆☆☆☆

### غزل
داستان دل کے نام

بہتے ہیں آنسو برستا کے مانند دے گیا
دکھ سدغات کی مانند
ملا ایسے جیسے صدیوں کا تعلق تھا
بچھڑا پہلی ملاقات کی مانند
میں اس کا ورد کرتی ہوں تنہائیوں میں
جیسے کرتے ہیں عبادت شب رات کی طرح
زندگی ادھوری سی لگتی ہے مجھے
لگتی ہے دنیا ہر رات کی مانند
میں اس کی یاد میں روتی ہوں تنہا اس قدر
پوچھتے ہے وجہ لوگ بارات کی مانند
(نامعلوم)

### عید میری تم ہی سے ہے

یہ ساری خوشیاں تم ہی سے ہے
کنگن چوڑی اور کلائی سجنا
چوڑیوں کی کھنک تم ہی سے ہے
کنگن پر شوال کا چاند روشن ہے
حسین سے ستارے جھلملا رہے ہیں
ہر اک عید کی تیاری میں مصروف ہے
ہر اک کے چہرے پہ خوشی رقصاں ہے عید مبارک
کہتی ہوں سبھی کو
عید مبارک لیتی ہوں سبھی سے
ہزاروں عیدیں آئیں اور یہ عید
منفرد اور خاص تم ہی سے ہے
میری زندگی میں نکھار تم ہی سے ہے
میرے دل کو قرار تم ہی سے ہے
میری زیست میں شوخ رنگ تم ہی سے ہے
میری عید اور عید سے جوڑی ہر خوشی تم ہی سے ہے
(ریما نور رضوان)

### محبتیں کہاں رہی ہیں

محبتیں کہاں رہی ہیں
محبتوں کے گواہ کہاں ہیں؟
مطلبی ہے جہان سارا
محبتیں کہاں گئی ہیں
خواب سارے بکھر گئے ہیں
عذاب آنکھیں بھگت رہی ہیں
عشق و عاشقی کے سارے دعوے
محبتوں پہ ہنس رہے ہیں
محبتیں اب مذاق ٹھہریں
محبتوں کے مداح کہاں ہیں
(شاعرہ:۔ مہوش ملک)

### تم بھول گئے نا

تم بھول گئے نا
آج میرا جنم دن تھا
میں نے سوچا تھا
تیرا ہر ظلم، تیری ہر جفا اک طرف
مگر آج کے دن
تیری طرف سے
کچھ پھول دعاؤں کے
کچھ لفظ وفاؤں کے
کوئی پیغام الفت کا
کوئی سندیسہ چاہت کا
کوئی بات گہری سی
کوئی دعا پیاری سی
ملے گی تیری طرف سے
آہ۔!! میں پاگل تھی
یہ بھول بیٹھی تھی
پھول دعاؤں کے
لفظ وفاؤں کے
پیغام چاہت کے
سندیسے محبت کے
بھیجے جاتے ہیں انہیں
جو دل میں بستے ہوں
اور میں تیرے دل میں بسی کب تھی۔ ح و
(شاعرہ حلیمہ وحید فرام کلرسیداں)

### اے نادان لڑکی

اے نادان لڑکی کیوں ہوا تنی اداس
چھوڑ کر چلا گیا وہ جو
تمہارے لئے تھا سب سے خاص
چاہا تھا تو نے جیسے حد سے زیادہ
وہی تمہیں توڑ کر چلا گیا
تیری آنکھوں سے وہ خواب نوچ ڈالے
جن کے سہارے تو نے جینا تھا
تمہیں چھوڑ کے چلا گیا یہ سوچ بنا
کہ تجھ کو نہیں آتا جینا اس کے بنا
جو نہیں دیتا کبھی تجھ کو بکھرنے
آج اسی نے کیا تجھ کو ریزہ ریزہ
سنو اے نادان لڑکی
اب تمہیں اس دنیا میں خود ہی جینا ہے
اپنے ہر دکھ کو سینے میں چھپانا ہے
نہ کسی کو کچھ بتانا ہے
نہ کسی سے کچھ کہنا ہے
ہاں نادان لڑکی اب تم نے یہ نادانی چھوڑ دینی ہے
(از قلم ہانیہ درانی کوئٹہ)

### زندگی اس ہے پھر بھی

زندگی اس ہے پھر بھی
یہی اک اس لاحاصل
ہماری جستجو باطل
ہمارے خواب لاحاصل
میری دنیا محبت ہے
محبت میرا ایماں ہے
میرے ہمدم محبت کے
سبھی انداز لاحاصل
مقدس رات ہو جب بھی
تجھے مانگوں دعاؤں میں
مگر میری دعاؤں کے
سبھی فرمان لاحاصل
عداوت مجھ سے رکھتے ہو
مگر چھپ چھپ کے تکتے ہو
عجب نفرت کے جلووں میں
محبت کی عنایت ہے
کہ ہے عنوان لاحاصل
سبھی انجام لاحاصل
(از قلم: نائمہ غزل)

### غزل — شمع حفیظ

اس زندگی کو گزارا کیسے مجھے بتاؤ
خوشی و غم کو سہارا کیسے مجھے بتاؤ
خلش تھی اپنی محبتوں میں سو کیسے کہتی
بیچارہ دل غم کا مارا کیسے مجھے بتاؤ
ضرورتوں کو طلب کے سانچے میں ڈھال کر بھی
کرو گے پورا خارا کیسے مجھے بتاؤ
کیوں خالی منظر میں رنگ بھرتے ہو زندگی کا
کرو گے اس کا نظارا کیسے مجھے بتاؤ
بہت خیالات ملتے جلتے ہیں تم سے میرے
شعور ہستی نکھارا کیسے مجھے بتاؤ
وہ موج دریا اچھال دے گی جو ڈوبتوں کو
انہیں ملے گا کنارا کیسے مجھے بتاؤ
بہت ہی نٹ کھٹ تھا ضدی بچے سا دل تمہارا
محبتوں سے سدھارا کیسے مجھے بتاؤ
چہارا جانب سے لوٹ آئی صدا تمہاری
یوں شدتوں سے پکارا کیسے مجھے بتاؤ

### گزرے ہر پل

گزرے ہر پل سے حسین
وہ ایک پل تھا جب
!تم نے۔۔۔
ہولے سے چھپکے سے
میرے چہرے کو
اپنے ہاتھوں میں لئے
بڑے پیار سے
لبوں پہ دلفریب مسکراہٹ سجائے
!اور۔۔
آنکھوں میں شوخ سی شرارت لئے
دھیرے دھیرے میرے کانوں میں کہا تھا
عید مبارک میری جان
(شاعرہ:۔ کنول خان)

### جان جاں

ہم کیا بتائیں تم کو نشاں اپنا جان جاں
آخر کو مٹ ہی جاتا ہے اپنا نشاں خاک
مانا تیرے امر کو تھا سجدہ کیا گیا
مقصود یہ بھی تھا کہ بتائی تھی شان خاک
اقرار میں کروں نہ تیرا میرے منہ میں خاک
تو ہی تو خاک میں ہے دھڑکتا اے جان خاک
اقرار مصطفٰے کمالیہ

### قلم رواں دواں

قلم رواں دواں
چلتے ہوئے حروف سے
دنیا عجب لگے یا میں محو خواب
اس سفر میں ڈھگر ملے گی بہت
یوں حزف ڈھگر مچلنے کو کیوں
رواں دواں موسم سے کہو
کیا میں بھی تیرے طرح بنوں
ہر موسم ہر حالات لکھو
کیا ہے یہ کیوں عجب لگے
لکھو کیا بھول گی سب اے دل
عجب دینا یہ عجیب خدیجہ
کی سوچ ہیں
(خدیجہ کشمیری، سرینگر مقبوضہ کشمیر)

### بھول نہیں سکی

بھول نہیں سکتی
میں چاہو بھی تو بھول نہیں سکتی
وہ آخری ملاقات کا منظر
آنکھیں نم تھی اور لب پہ تھی مسکان تمہارے
تم نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ جاؤں گے
اور پھر کبھی لوٹ کے نہیں آؤں گے
میں نے ہمیشہ کی طرح کہا تھا
پاگل ایسے کہتے اور تم چھوڑ گے ہمیشہ کے لیے
میں چاہو بھی تو بھول نہیں سکتی
وہ آخری ملاقات کا منظر بھول نہیں سکتی
(صباء مسکان)

### عید وفا

عید وفا
تمہاری آنکھوں میں ٹھہرے خوابوں سے اشنا ہوں
تمہاری نظروں کے سب تقاضوں
تمہارے دل میں چھپے اندیشوں
تمہارے سب ان کہے سوالوں
محبتوں کے سبھی حوالوں کو جانتی ہوں، میں مانتی ہوں
تمہارے خدشات بھی بجا ہیں
جہاں محبت کی شدتیں ہوں، وہاں جدائی
کا واہمہ بھی ضرور ہوگا
مگر میں تم کو یقین دلاؤں
ہماری یہ لازوال الفت کبھی بھی اب کم نہ ہو سکے گی
چلو یہ خدشے دلوں سے اپنے نکال کر ہم
!وفا کا کرتے ہیں عہد دونوں
محبتوں کے تمام خوابوں کو روپ دیں گے
ہم اپنے جیون کو شادمانی کے رنگ دیں گے
(نوشین اقبال نوشی)

### تیرا نام میں بھلا دوں

تیرا نام میں بھلا دوں
تیری یاد کو مٹا دوں
تیرے سوا اس دل میں
کسی اور کو بسا لوں
تیری سوچ میں نہ سوچوں
تیرا ذکر نہ کروں میں
میرے دل سے یہ اجازت
مجھے تھی نہ ہے نہ ہوگی
(شاعرہ:۔ اریشہ فاروق گوجرانوالہ)

### محبت

سنا تھا ہم نے لوگوں سے
محبت چیز ہے ایسی
چھپائے چھپ نہیں سکتی
یہ آنکھوں میں چمکتی ہے
یہ چہروں پہ دمکتی ہے
یہ لہجوں میں کھنکتی ہے
دلوں تک کو گھلاتی ہے
لہو ایندھن بناتی ہے
اگر یہ سچ ہے تو پھر اس ذات حق سے بھلا ہم کو کیسی
محبت ہے؟
جو نہ آنکھوں میں چمکتی ہے
نہ چہروں پہ ٹپکتی ہے
نہ لہجوں میں سلگتی ہے
نہ دلوں کو آزماتی ہے
نہ راتوں کو رلاتی ہے
نہ کانٹوں پہ چلاتی ہے
نہ اشرف المخلوقات بناتی ہے
جو اپنے پیدا کرنے والے سے
محبت کر نہیں سکتا
!تو یہ بھی سچ ہے کہ میرے ساتھیو
وہ اس کے بندوں سے
کیونکر محبت کر ہی سکتا ہے
کیونکہ محبت جذبہ ہے ایسا
جو راتوں کو جگاتا ہے
مالک کے سامنے خوب رلاتا ہے
روتے ہیں عشق مجازی میں
عشق حقیقی سے ناواقف لوگ
تو پھر کیا خوب تڑپتے ہیں
تو پھر کیا خوب بلکتے ہیں
(سوچ کنول رانا ڈسکہ سیالکوٹ)

### غزل F کے نام

نظر جب اس سے ملتی تھی میں خود کو بھول جاتا تھا
بس اک دھڑکن دھڑکتی تھی میں دل کو بھول جاتا تھا
اسے ملنے سے پہلے میں بہت سجا تا سنوارتا تھا
مگر جب وہ سنوارتی تھی میں خود کو بھول جاتا تھا
میں اکثر کتابوں پر اسی بے وفا کا نام لکھتا تھا
مگر جو کچھ وہ لکھتی تھی وہی لکھنا بھول جاتا تھا
میں اکثر یہ ہی کہتا تھا میں تم سے پیار کرتا ہوں
مگر F جب وہ یہ کہتی تھی وہی دنیا کو بھول جاتا تھا
اب تو قسمت ہی ملا دے تو ملا دے ورنہ
میرے بھائیوں کو بچھڑے ہوئے سال گزر گئے
اتنا نہ رولا اے زندگی؟
ہر کسی کے پاس چپ کروانے والا نہیں ہوتا
(ولی اعوان گولڑوی)

### گزارا

کیں لنگدا وقت وچھوڑے دا
بن یار گزارا کون کرے
دنیا توں گزارا ہو سکدا
یاراں توں گزارا کون کرے
اک دن ہووے تے لنگھ جاوے
ساری عمر گزارا کون کرے
(اقراء انمول:۔ چشتیاں)

### محبت — عفت بھٹی

جب ترا حکم ملا ترک محبت کر دی
دل اس پہ وہ دھڑکا کہ قیامت کر دی
میں اس کا ہوں، اس کا ہی رہوں گا
دل نے یکلخت مجھ سے بغاوت کر دی
تری خاموشی نے مجھے، نہ چھوڑا کہیں کا
مری آنکھ نے گریہء میں عبادت کر دی
میں راہِ محبت میں وفا بیچ آئی
آہ، میرے نفس یہ کیسی سیاست کر دی
جان و دل مجھ خفا سے رہنے لگے
تری یاد نے بس ان سے رفاقت کر دی
تجھے لفظ پرونے کا ہنر کب آتا تھا عفت
یہ تیرا عشق ہے جس نے شفاعت کر دی
(عفت بھٹی)

### تعبیر

خدا کرے میری ایسی تقدیر ہو جائے
وہ میرے ہاتھوں کی لکیر ہو جائے
وہ مجھے چھوڑ کر کہیں جانا چاہے تو جا نہ پائے
میرا پھر وعدہ اسکے پاؤں کی زنجیر ہو جائے
وہ ساری دنیا کو ٹھکرا کے مجھ سے آملے
ایسا ہو کہ پیار کی اخیر ہو جائے
دنیا کی کوئی شے اسے چھو نہ پائے
وہ میری اور بس میری جاگیر ہو جائے
دل چاہتا ہے کہ پیار کو ایسے موڑ پہ لے آؤں
کہ سارا زمانہ پیار کے آگے ڈھیر ہو جائے
وہ بھی کچھ دیکھ نہ پائے میرے سوا
اسکی آنکھوں میں میری تصویر ہو جائے
دیکھے ہیں جتنے بھی خواب زندگی میں
دعا ہے کہ انکی بھی تعبیر ہو جائے
(ماہی اَلون:۔ مروٹ)

### نظم

میں اکثر یہ خواب دیکھتا ہوں
میں اکثر یہ خواب دیکھتا ہوں
کہ ایک سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ ہم سب کو
اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے
اور شرم و حیاء کے دروازوں سے داخل ہو کر ہر
عمارت کی
بلند و بالا پڑے کی دیواروں کو گرا کر
آنگن میں نفرتوں کی بڑی بڑی دراڑ تل پیدا کر
رہا ہے
کہ جس سے بلا آخر یہ یوں پرانی
عزت و آبرو کی مضبوط چھتیں
ایک بڑے دھماکے کے ساتھ گر جاتی ہیں
تو میری آنکھ کھل جاتی ہے
اور جب میں اسے آس پاس دیکھتا ہوں
تو ہر کوئی اپنی مطمئن میں مگن بے خوف و خطر
کہ جسے یہ ایک تہذب کا سیلاب
ان کی منزل مقصود ہو
میں اکثر یہ خواب دیکھتا ہوں
ماہی چوہدری آف بورے والا

### اس سے پہلے کہ قضا آجائے

اس سے پہلے کہ قضا آجائے
میرے دکھوں کی دوا آجائے
قبول ہو کر میری صدا آجائے
اس سے پہلے کہ
میں موم بن کر پگھل جاؤں
حسرتوں کو نگل جاؤں
تہہ سمندر کہیں بہہ جاؤں
اس سے پہلے کہ
بک؟ رکر ٹوٹ جاؤں میں
خامشی سے روٹھ جاؤں میں
اس سے پہلے کہ
کوئی آس چ؟ وڑ دوں میں
خودی سے خودی کو توڑ دوں میں
اس سے پہلے کہ
فنا میری ذات ہو جائے
خاک میری اوقات ہو جائے
سنو جاناں!!
میں کہتی ہوں سنو جاناں!!
''ہم تم کو یاد کرتے ہیں''
بے حساب کرتے ہیں
خود کو بے قرار کرتے ہیں
سنو جاناں!!
ہم تم کو یاد کرتے ہیں
شاعرہ:۔ رخسار رشید کشمیری (جدہ سعودی عرب)



### مقابلے کے اشعار (محمد شعیب)

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
(سعدیہ عابد)
میں سچ کہوں گی اور پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا
(سمینہ کنول)
وہ میری غزل کو پڑھ کر پہلو بدل کر بولے
کوئی قلم چھینے اس سے، یہ تو جان لے چلا ہے
(دعا اعوان)
بے رخی کی تو خیر لے لیکن
بے حسی تیری یار رہے گی
(زویا ممتاز)
نہ وفا کا ذکر ہوگا، نہ وفا کی بات ہوگی
اب محبت جس کے ساتھ ہوگی مطلب کے ساتھ ہوگی
(درِ تنہائی)
اپنی سانسیں بھی کر دوں تیری سانسوں میں منتقل
اس سے زیادہ تجھ کو اور کس طرح چاہوں؟
(ارمان ملک)
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(محمد رضوان)
وہ اشک بن کر میری چشم تر میں رہتا ہے
عجب شخص ہے خدا کے گھر میں رہتا ہے
(بیا آنچل)
وہ جائیداد ہے زندگی کی میری
جو اسے بھول جاؤں تو فقیر ہو جاؤں
(کرن خان)
کہیں وہ ذائقہ تحلیل ہی نہ ہو جائے
میں تم سے مل کر کسی سے نہیں ملا برسوں
(ثوبیہ اجمل)

### شاعر:۔ فرحین ناز طارق کی ٹیم کے اشعار

دعویٰ عشق ہے تو سیکھو آداب عشق بھی صاحب
نام اپنا میر رکھو پہلے، پھر دیوانے ہو یو صاحب
شاعر:۔ فرحین ناز طارق
عشق پیدا کر کی کچھ حسن و خوبی میں نہیں
سود و صندل ہے تیرے درد سر کا علاج
انتخاب:۔ مصباح ملک
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
انتخاب:۔ فوزیہ بتول
کہتا ہے دل کہ آنکھ نے مجھ کو کیا خراب
کہتی ہے آنکھ یہ کہ مجھے دل نے کھو دیا
لگتا نہیں پتا کہ؟ صحیح کونسی ہے بات
دونوں نے ملکر میر ہمیں تو ڈبو دیا
انتخاب:۔ قندیل ندیم
حرف حرف رٹ کر بھی آگہی نہیں ملتی
آگ نام رکھنے سے روشنی نہیں ملتی
آدمی سے انساں تک آؤ گے تو سمجھو گے
کیوں چراغ کے نیچے روشنی نہیں ملتی
انتخاب:۔ شفق ناصر
میرا یہ خواب و خیال میری روح میں بستا ہے
وہ شخص میری ہستی کو تسکین بخشتا ہے
میری زندگی پیاس کا اک صحرا ہے
وہ اپنی محبت سے مجھے سیراب کرتا ہے
شاعرہ:۔ اقراء افتخار
کرتے ہیں مجذوب، قطب، تو ابدال کسی کو
وہی جو چہرے پہ گرد و غبار لیے پھرتے ہیں۔
شاعر:۔ وقاص اشرف
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
انتخاب:۔ فرح علی
اک اداسی جو میں نے اوڑھی ہے
اس سے کتنی نکھر رہی ہوں میں
شاعرہ:۔ نائمہ غزل
سوچ کے دائرے سے پھسلتا ہوا ایک خیال
دل مضطرب کی بےچینی کو بڑھاتا ہوا جیسے ایک سوال
خوابیدہ آنکھوں میں ٹھہر جائے ادھوری تعبیر جیسے
رت جگوں سے ابھرنے لگتا تاریکی کے کئی ایک سیال
شاعرہ:۔ فرح اعجاز

السلام علیکم!
جناب ایڈیٹر داستان دل "ندیم عباس ڈھکو صاحب اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر مبارکباد ۔۔۔ جون کا داستان دل اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے "مایوسی گناہ ہے" تحریر شعیب عالم اچھا سبق دیتی ہے۔۔۔ محمد خان انجم کی سٹوری بہت اچھی لگی... ندیم عباس ڈھکو قسط نمبر 3 اور دل بڑی مشکل سے ہارا ہے نزہت حنین ضیاء قسط نمبر 2 بہت زبردست چل رہی ہیں۔ اس کے علاوہ "افسانچہ" منظور تبسم بہت خوب بھائی پہلے تو سوچ کو اور طرف ہی چلی گئی تھی۔ دنیا کسی کی نہیں شاہد رفیق سوہو کبیر والا میرے گڈ بھائی شاہد سچ لکھا ہے۔ آپ نے واقع یہ دنیا کسی کی نہیں ہے۔ ذرا سوچئیے تحریر نبیلہ نازش راؤ۔۔۔ وری گڈ بہت اچھے انداز میں سمجھایا ہے۔ حکومت کو ۔۔۔ ذرا سوچیں یہ حکومت ہے کون۔۔۔؟؟؟؟ ۔۔۔ ہم خود ہی ہیں حکومت ۔۔۔ ہمارے اپنے ہاتھوں سے ڈالے گئے ووٹوں سے بنتے ہیں۔ حکمران اور حکمرانوں کو بھی نہیں اصل میں تبدیلی حکومتوں اور حکمرانوں نے نہیں آپنے آپ سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ جائیے جوابی وقت سر پڑا ہے۔۔۔ اس کی وجہ ہم سب ہی بد حال تھا۔ جائیے کو تبدیل کرنے والے پہلے صدر باؤنڈ کی جن کا کہنا ہے کہ اپنی تکلیف کے پہلے پورے جائیے کو تبدیل کرنے میں نہیں ہوتی جتنی تکلیف جب آپنے آپ کو تبدیل کرنے میں ہوتی۔
ہمیں صرف خود کو تبدیل کرنا ہے دنیا خود بخود ٹھیک ہو جائے گی اور ہسپتالوں میں ڈاکٹرز کا واقع یہی حال ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ کو تحریر ڈاکٹرز نے پڑی ہوئی ہے ضرور سمجھو آ ہوگا کہ یہ ساری ایک بات ہے میرے والد صاحب بھی ڈاکٹر ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ڈاکٹر تھے اب وہ ڈاکٹری چھوڑ کر سیاست میں آگئے ہیں۔
لیاقت علی بلوچ شہید تیری عظمت کو سلام تحریر رانا ظفر اقبال بہت خوب ہماری قوم کو فخر ہے ایسے نڈر باہمت اور جانباز نوجوانوں پر اور ہم سلام پیش کرتے ہیں ایسی ماؤں کو جو ایسے جگر کو اس طرح کی مہم پہ بھیجتی ہیں دور کے ڈھول سہانے تحریر مہوش ملک ایک اچھا سبق ہے ان میں آج کل کی لاڈلی اولاد کے لیے باقی سب لوگوں کی تحریریں بھی بہت اچھی تھیں۔ جن لوگوں نے میری تحریر بزرگ اور پرچہ کو پڑھا اور اچھے الفاظ سے نوازا ان سب کا بہت شکریہ آپ سب لوگوں کی محبت سر آنکھوں پہ۔ داستان دل کی پوری ٹیم کو سلام دعا ہے کہ داستان دل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین۔ ملتے ہیں چھوٹی سی بریک کے بعد فی امان اللہ
تحریر: آصف جاوید زاہد ساہیوال

### غزل

وہ نام لینے سے پہلے ہی شرما جانا تیرا
کیسے بھول سکتا ہے وہ دیوانہ تیرا
ہم کو بھولتے نہیں اب تک کلائی چھڑوانے کے لیے
ملنے کا وعدہ کرنا پھر بھول جانا تیرا
روز بہانے بہانے سے کسی کام کی خاطر
میرے گھر آکر مجھے وہ بلانا تیرا
وہ شرط لگا کر کھیلنا مجھ سے شرطیں کی بازی
اور پھر ہار کر ہنستے ہوئے وہ بھاگ جانا تیرا
ڈائری میری کو چھپا کر پوچھنا کیا ہوا ہے
اگر وہ محبت نہیں تھی تو اور کیا تھا۔۔؟؟؟؟
وہ ہمراہ سہیلیوں کے بھی کہ نام میرے گنگنانا تیرا
دیکھا کرتا تھا میں بھی کھڑکی کی اوٹ سے
پہلے نام لکھنا پھر چومنا پھر وہ مٹانا تیرا
جاوید کی غزل سن کر بے قرار ہو کر
لوگ محسوس کرتے ہیں چونک جانا تیرا
آصف جاوید زاہد ساہیوال

### حوصلہ افزائی کرنے والے دوستوں کے نام

مہر رضوان احمد ساہیوال
فیصل ناز عارفوالا
نصر اللہ شہزاد ساہیوال
ضیغم زبیر ڈھکو ساہیوال
بلال احمد صاحب قبولہ عارف والا
محمد اسماعیل صاحب کبیر
عامر وکیل جٹ ساہیوال
خضر حیات ساہیوال
آصف ظفر ملتان
عاصم کنول منڈی بہاولدین
ارم بہاولنگر
حنا ہجرہ شاہ
دانش انقلابی سعودی عرب
(آل میگا ڈولفر ساہیوال ٹیم)

اب بھی پوچھتے ہو مقام اپنا جاوید
کہ جو دیا زندگی تم ہو
عاقب جاوید ملتیل ساہیوال



### کچن

چکن (اُبلا ہوا) ایک کپ
چکن مایونیز ۲ کھانے کے چمچ
کالی مرچ 1/2 کھانے کا چمچ
نمک حسب ذائقہ
کھیرا (قتلوں کی شکل میں کٹا ہوا) ۱ عدد
گاجر (کدوکش کی ہوئی) ۱ عدد
ڈبل روٹی کے سلائس ۱۲ عدد

**طریقہ**

ابلے اور کدوکش کیے ہوئے چکن میں مایونیز، نمک کالی مرچ اور گاجر شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب ڈبل روٹی کے سلائس کو کناروں سے الگ کر لیں اور تھوڑا تھوڑا آمیزہ ہر سلائس پر لگا کر پھیلائیں، دو سے تین قتلے کھیرے کے بھی رکھ دیں اور دوسرے سلائس سے کور کر لیں۔ رول بنانے کیلئے Wrap سینڈوچ کو احتیاط سے پریس کریں اور رول کی شکل دے دیں، اب چکن کی جگہ ابلے انڈے بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ رات کو تیاری کر کے اب انہیں کلنگ فلم میں لپیٹ کر کے فریج میں رکھ دیں یہ صبح تک تازہ رہیں گے۔ اب بچوں کو ناشتے میں دے دیں۔

(نوٹ: بھیجنے والے نے اپنا نام شو نہیں کیا)

## فیس بک انچارج
عمران رضا بٹ، فاطمہ خان، نوشین اقبال نوشی


# داستانِ محبت

تحریر: ایم افضل آزار 0302-4249050

ان دنوں کی بات ہے کہ جب میں سکول پڑھتا تھا پڑھائی کا بہت شوق تھا میرے دو بھائی اور ایک بہن تھی میرے ابو سرکاری ملازم تھے کسی چیز کی کمی نہ تھی بن مانگے ہر مل جاتی تھی کسی قسم کی پریشانی نہ ہر وقت خوش وخرم رہتا تھا ہمارے

ارمغان اسلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہو آپکا محبت نامہ ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اتنی خوشی کہ بتا نہیں سکتی کہ آپکے پیار کا جواب کیسے دو سمجھ نہیں آئی کیا لکھوں دل لکھوں جان لکھوں یا زندگی تیرے نام لکھوں جان آپ

گزارتا تھا ہمارا پیار بھی عروج پر پہنچ گیا تھا امبرین کے گھر والوں نے مری جانے کا پروگرام بنایا کیونکہ گرمیوں کی چھٹیاں تھیں شام میں واک کرنے گیا تو امبرین بھی آگئی مجھ کو بتایا کہ میں ایک ہفتہ کے لیے مری جا رہی ہوں تو میں

تیری ماں ہوں مجھے سیدھی بات بتاو امی نے میرا اپنی جھولی میں سر رکھ لیا اور کہنے لگی بیٹا مجھے سچ سچ بتاو ورنہ میں تیری ماں نہیں بنوں گی میں کانپتے کانپتے کہنے لگا امی پہلے مجھ سے وعدہ کرو کہ میرا ساتھ دو گی امی نے وعدہ کرلیا تو میں نے امی کو امبرین کے پیار کے بارے میں بتا دیا اور وہ چھٹی کلاس میں پڑھتی ہے ہم بس میں اکٹھے جاتے ہیں میں نے اپنی زندگی اس کے نام کر رکھی ہے امی نے کہا بیٹا دیکھو وہ بہت امیر لوگ ہیں وہ تجھ سے پیار کیسے کرے گی اسے اپنے دل سے نکال دو وہ تمہارا ساتھ نہیں دے گی امی کی باتیں سنتے ہی میں رونے لگا تو امی نے مجھے تسلی دی اور کہا بیٹا تیری مرضی اللہ تیری مدد کرے صبح ہوگی سکول کی تیاری کر کے اسٹاپ پر پہنچ گیا تو مجھ سے پہلے امبرین وہاں موجود تھی اور مجھے دیکھ

سے موجود تھی ہم نے ایک دوسرے سے جی بھر کر پیار کیا ارمغان کے دل میں شیطان نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا اور وہ کچھ ہو گیا جو سوچ سے بھی باہر تھا ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ وعدے قسمیں کھائیں امبرین نے اگر تم میرے ساتھ دل وجاں سے پیار کرتے ہو تو اپنے ماں باپ کو میرے گھر رشتے کے لیے بھیجو اور میں نے وعدہ کیا اور گھر چلا آیا نے جب گھر والوں کو کہا تو سب ناراض ہوگئے گھر والوں کو بہت مشکل سے منایا اور امبرین کو بتایا کے گھر والے امبرین کے گھر گئے اور منت سماجت کر کے امبرین کے رشتہ کے لیے ہاں کر دی صبح کو میں سکول گیا تو امبرین نے کہا مٹھائی کھلاؤ چلو اڈہ پر کھاتے ہیں تو امبرین نے کہا مجھے مٹھائی ملاقات

لگا میرا سر بجلی کے سرکٹ سے لگا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا اور اپنی یادداشت کھو دی۔ امی یہ صدمہ برداشت نہ کر پائی اور وہ دل کا دورہ پڑنے سے اللہ کو پیاری ہو گی۔ عنبرین ۲ ہفتے ہسپتال رہی۔ ایک دن ہسپتال میں دانیال آ گیا اور پاؤں پر ہاتھ رکھ کر معافی مانگی اور رونے لگا گیا امبرین کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی اور ہسپتال سے چھٹی ہوگی امبرین نے اب تک شادی نہیں کی۔ آج دس سال بعد مجھے ہوش آیا ہے اور یہ جان کر دل کرے ہے کہ کاش ہوش ہی نہ آتا کہ میری ماں اب زندہ نہیں کاش میں ہمیشہ پاگل ہی رہتا افضل بھائی امبرین کا کہنا ہے کہ پاپا نے میرا علاج کروایا ہے اور اپنے کیے پہ شرمندہ بھی ہے اور اب ہماری شادی کے لیے رضامند بھی ہے مگر وہ میری جنت کا قاتل ہے

# دیس میں نکلا ہو گا چاند

از قلم:۔ محمد شعیب

شام ڈھلتے ہی وہ کرچن بارگ پیلس کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا اور آسمان کے ساتھ ساتھ اس پیلس کی خوبصورتی کو بھی دیکھنے لگا۔ چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی نمایاں تھی، ایک عجیب سی خاموشی پرہجوم ماحول میں بھی اس کے سنگ تھی۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنے جسم کو گرم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ سب سے

نگاہ دوڑائی مگر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا "یار تو آسمان والے چاند کی ہی بات کر رہا ہے ناں۔۔ یہاں تو لوگ زمین کے چاند کو دیکھنے آتے ہیں" معنی خیز لہجے میں اس نے پھلجھڑی چھوڑی تھی "جسٹ شٹ اپ یار۔۔۔ میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔۔" اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری تھی جو کرس کی نظروں سے چھپ نہ سکی "اوہ۔۔ ہو۔۔ جناب صاحب اب

دیکھ رہے تھے "میں چاند کو دیکھنے آیا ہوں۔۔" ایک بار پھر اس نے نگاہ آسمان پر دوڑائی مگر سیاہی اب بھی غالب تھی۔ روشنی کا نام و نشان تک نہ تھا "چاند۔۔۔ وہ بھی اس موسم میں؟" کرس نے تمسخرانہ کہا تھا "ہاں۔۔!!" سرد آہ بھرتے ہوئے ایک بار پھر اس نے آسمان پر

آسمان پر نگاہ دوڑائی تھی "ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔۔ چل چلتے ہیں پھر۔۔" اس کا لہجہ قدرے بجھا ہوا تھا "یار پریشان ہونے کی کیا بات ہے یہاں نہیں نکلا تو کیا ہوا؟ تیرے دیس میں تو نکل گیا ناں چاند۔۔" عمران کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کرس نے کہا تھا۔ ختم شد۔

# یادیں پیار کی


ڈاکٹر منظور اکبر تبسم، جھنگ 0345-3487779

ایڈریس:۔ چاہ احمد والہ، ڈاکخانہ جمال والہ براستہ منڈی شاہ، جیونہ تحصیل وضلع جھنگ


محبت ایک ایسا منفرد جذبہ ہے جو دلوں کے درمیان سکون، راحت پیدا کرتا ہے۔ محبت امر ہے مگر اس وقت جب یہ دو طرفہ ہو۔ محبت کے پھول ہمیشہ اُس وقت تک کھلتے رہتے ہیں جب تک ان کو احساس کا آب ملتا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج محبت کو صرف وقت گزاری

آیا۔ بریک میں پھر چائے بسکٹ کا دور چلا۔ ہر دن بہت اچھا گزرنے لگا۔ ہمارے درمیان کافی دوستی ہو گئی تھی۔ میں تو ہنی کو دل ہی دل میں چاہنے لگی تھی۔ مگر مجھے ان کے جواب کا انتظار تھا۔ کہ کب وہ پیار کا جواب دیتے ہیں۔ اس سلسلہ کو مہینہ گزر گیا میرے پاس موبائل نہیں تھا

نبھانے کے لیے شہر کالج میں FSc کرنے لگی۔ لیکن FSc کے پہلے دو مہینے ہنی میرے ساتھ ٹھیک رہا مگر پھر اس کے رویہ میں تبدیلی آنے لگی۔ پہلے گھنٹوں بات اب دنوں میں بدلنے لگی۔ میں ہنی سے پوچھتی کہ پلیز ہنی ایسا مت کرو میں ٹوٹ جاؤں گی مگر وہ کہتا کہ میرے

آغاز ہو گیا۔ آج ہنی صاحب کمرے میں آئے اور چیئر منگوائی۔ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ اور مجھے ٹیچنگ کے بارے معلومات دینے لگے میں انہیں سر ہنی کہہ کر پکارتی تھی میں نے بہت اچھا محسوس کیا۔ وہ بہت پیار سے نرمی سے گفتگو کرتے تھے۔ مجھے ان کا یہ انداز بہت زیادہ پسند

دفتر میں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور خوب روئے۔ میں گھر آ گئی۔ میرا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ ہنی کال کر کے مجھے دلاسے دیتا مگر مجھے اس کی رفاقت چاہیے تھی قربت کی پیاسی تھی۔ ہم میسج پہ باتیں کرتے رہتے۔ وقت گزرتا گیا میں نے میٹرک کر لی اور ہنی سے کیا وعدہ

رکھیں گے اور اپنے محبوب کے لئے وفا کا نذرانہ دیں گے۔ آخر میں سب دوستوں سے ریکوسٹ ہے کہ میری والدہ صاحبہ کی صحت کے لیے دُعا کریں۔ وہ چند سال سے بیمار ہیں۔

﴿اللہ پاک آپکی والدہ کو صحت یاب کرے آمین۔ ایڈیٹر﴾

# ماں کی یاد میں

حماد ظفر ہادی

اباجی کیسے ہیں میں نے ابا سے بات کا آغاز کیا۔ واعلیکم سلام پتر توں کیسا ہے۔۔۔ میں ٹھیک ہوں اباجان میں نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔۔ پتر رمضان شریف میں آجاؤ نہ عیدل کے منا آئیں گے۔۔۔ اباجی آپ فکر نہ کریں میں رمضان کے پہلے عشرے میں ہی آجاؤں گا۔ اباجی بہت خوش

مروڑ ایہ چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں تھی۔ اباجی کبھی کبھی ناراض بھی ہوتے تھے تو اماں میری طرف داری کرتی۔ مجھے گاؤں اچھا لگتا تھا میں کہتا اماں ہم گاؤں میں گھر کب بنائیں گے اماں کہتی جب تو بڑا ہوگیا نہ، نوکری کرے گا نہ پھر گاؤں میں کوٹھی بنائیں گے۔ پھر پتہ نہیں کب میں بڑا ہوگیا تعلیم

# رفاقت

از قلم:۔ فرحین ناز طارق چکوال

سابیٹا دیا مگر ان دنوں وہ بہت بیمار ہوگئی اس کا شوہر ان دنوں بھی بے روزگار تھا سسرالیوں نے اس کا علاج کروا کر اپنا پیسہ برباد کرنے کی زحمت نہ کی مارے درد کے اس کے آنسو رواں تھے جب اس کے والدین خوشی خوشی اس سے ملنے آئے مگر اسکی حالت دیکھ کر انکے دل کٹ کر رہ گئے اپنی لاڈوں

کر پہنچ گئے کیس چلا وکلاء نے اپنے پینترے دکھائے حتی کہ کورٹ کچہری کے پرانے ہتھکنڈے اپناتے ہوئے اسکے کردار تک پہ کیچڑ اچھالا مگر اس کو اس کے بچے سے نہیں ملایا گیا کئی ماہ کی تگ ودو کے بعد اتنا ہوا کہ وہ عدالت کے انصاف سے دلبرداشتہ ہوگئی تب اک سہانے دن

معلوم ہوتا تھا فریان کے اچانک سے بدلتے رویے کی وجہ کیا تھی اسے بہت بعد میں اندازہ ہوا وہ کام پر لیٹ ہونے کے بہانے ساری شام اپنے گھر گزار کر آتا تھا اسے فرمان کے اسکے ماں باپ سے ملنے پہ اعتراض ن؟ تھا مگر وہ تو اسی کے گھر میں نقب لگا رہے تھے۔

# حسین لڑکی

سیدہ راشدہ عمران چک جھمرہ

سے کہا اس نے رکشہ اور تیزی سے بھگانا شروع کر دیا گرمی میں سواریاں رکشے والے سے الجھ رہی تھی پہلو آپ لوگ ایسا مت کریں کیوں اس بچارے کو باتیں سنا رہی ہیں وہ رکشہ چلا تو رہا ہے۔ اور کیسے چلائے۔ پچھلی سواری کے الجھنے پر میں نے بڑی نرمی سے کہا لیکن ہمارے آفس سے دیر ہو رہی ہے مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔ مگر ہمت سے کام لیتے ہیں یہ کہہ کر میں خاموشی سے سفر کو اغوا کرنے لگی ہر طرف دھوپ تیزی سے ابھر رہی تھی سڑک کے کنارے گندم کے کھیت دھوپ میں سونے کی طرح چمک رہی

بوندیں چہرے کو چھو کر گزری ہوں ہر طرف ویران سا ماحول تھا اور اس کے ساتھ اور گرد مویشی بھی بندھے ہوئے تھے۔ خالدہ مجھے یہ گوبر کا تاشلا سر پر رکھوا دینا اس مینہ کی آواز سے یہ لفظ سن کر میری تو جیسے سانس روک گی ہو۔ جس پر خوبصورت اور فینسی سوٹ جیسے نئی نئی شادی ہوئی ہو اور ہونٹوں میں ایک مسکراہٹ۔ گوبر کا تاشلا ایک ڈھیر سے اُٹھا کر دوسرے ڈھیر پر پھینک رہی تھی۔ جینا سکھنا ہے تو ان لوگوں سے سیکھو زندگی کیا چیز ہے پوچھوں ان لوگوں سے خوشی کا احساس کیا ہوتا ہے یہ لوگ جانتے ہیں جو اتنی گرمی میں

# بقیہ ﴿مجھ سے پہلی سی محبت﴾

از قلم:۔ ماوار خان

پتا نہیں وہ اپنی سوچوں میں اور کتنی دور نکل جاتی کہ آپی کی آمد نے اسکی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ قریب آئیں اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور پیار سے اسکا سر اپنے ساتھ لگا کر پیار سے اسکی طرف دیکھا، گویا کہہ رہی ہوں کہ مت اپنی

لیکن۔۔۔ یہ وہ تو یہ تو نہیں، جیسے میں نے چاہا تھا کبھی ہنستی مسکراتی، زندگی سے بھرپور۔۔ لیکن۔۔۔۔ میں تو وہی ہوں نا، اسکے اندر سے جیسے کوئی آواز آئی اور بس یہی لمحہ جیسے فیصلے کا لمحہ بن گیا۔۔۔ اس نے امی سے بات کی امی

# نذرانہ...... 100 لفظی کہانی

کاشی بھاگتا ہوا ماں کے پاس آیا ماں..... آج 14 اگست ہے سب بچوں کے پاس جھنڈا ہے مجھے ہاتھ میں جھنڈا چاہیے ماں دلاسہ دیتی ہے...... سلاء کے کپڑوں سے جو آمدنی ہوگی تیرے لیے بازار سے جھنڈا لاؤں گی کاشی جیتنا خوش..... ماں اتنی پریشان

کاشی کا 14 اگست کو ہاتھ میں خوشی سے جھنڈا لہرانا عقب سے کار ایکسیڈنٹ ہونا...... کاشی کا مرجانا کاشی کی وطن سے لازوال محبت..... جھنڈا نیچے نہیں گرنے دیتا وطن کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ دینا خون زمین میں پیوست ہو رہا ہے جھنڈا کاشی کے بدن پر ہے۔ عنبرین اختر لاہور

# چاکلیٹ کیک بالز (نزہت جبیں)

**اشیاء**

| | |
|---|---|
| اسفنج کیک: | ایک عدد (درمیانہ) |
| بادام: | آدھا کپ موٹے کٹے ہوئے |
| چاکلیٹ چپس: | آدھا کپ |
| کھجور: | ایک کپ |
| کوکنگ چاکلیٹ: | حسب ضرورت |

## ترکیب:

کوکنگ چاکلیٹ کو پگھلائیں پھر ایک برتن میں ایک گلاس پانی ڈالیں۔ کھجور کو اتنا پکائیں کہ وہ پیسٹ کی شکل میں آجائے۔ پھر کھجور کی گھٹلیاں نکال لیں۔ برتن میں کیک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ہاتھ سے مسل لیں۔ اب اس میں بادام، چاکلیٹ چپس اور کھجور کا پیسٹ شامل کر لیں اور اتنا مکس کریں کہ وہ یکا ہو جائے۔ بعد میں اس کے ہلکے ہاتھ سے بالز بنائیں اور اس میں ٹوتھ پک دھنسا کر پگھلی ہوئی چاکلیٹ میں اچھی طرح رول کر لیں اور مزید ٹھنڈا کرنے کے لئے فریج میں رکھ لیں۔ لیجئے مزیدار چاکلیٹ کیک بالز تیار ہیں۔